بفیض حضور مفتی اعظم علامہ شاہ محمد مصطفیٰ رضا قادری برکاتی نوری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حدیث پاک اصحابی کالنجوم پر لگائے گئے الزام وضع کے تنقیدی و تحقیقی جائزہ پر مشتمل حضرت تاج الشریعہ علیہ الرحمہ کے عربی رسالہ ''الصحابة نجوم الاهتداء'' کا اُردو ترجمہ بنام

كواكب الاقتداء
فی
الصحابة نجوم الاهتداء

مصنف

تاج الشریعہ حضرت علامہ مفتی محمد اختر رضا خاں قادری ازہری علیہ الرحمہ

مترجم

نبیرۂ اعلیٰ حضرت، خلیفۂ تاج الشریعہ، خلیفۂ امین شریعت

حضرت مولانا محمد فیض رضا خاں عادل الازہری بریلوی

فاضل جامعہ ازہر مصر

تقدیم:۔ مفتی محمد سلیم بریلوی

تقسیم کار: جامعہ اعلیٰ حضرت، سوداگران درگاہ اعلیٰ حضرت بریلی شریف

شائع کردہ: رضا اکیڈمی ممبئی

سلسلہ اشاعت نمبر۔۔۔۔۔۸۶۲

نام کتاب : كواكب الاقتداء فی الصحابة نجوم الاهتداء

نام مترجم : مولانا محمد فیض رضا خاں عادل ازہری
تقدیم ونظر ثانی : مفتی محمد سلیم بریلوی، استاذ منظر اسلام بریلی شریف
باہتمام : مفتی محمد خورشید عالم رضوی، استاذ جامعہ اعلیٰ حضرت
سن اشاعت : ۲۵؍صفر ۱۴۴۰ھ؍۵؍نومبر ۲۰۱۸ء
بموقع : صدسالہ عرس رضوی
تعداد : ۱۱۰۰۰
کمپوزنگ : مرزا توحید بیگ رضوی، مولانا محمود مسجد بی جی بریلی
ملنے کا پتہ : جامعہ اعلیٰ حضرت، محلّہ سوداگران درگاہ اعلیٰ حضرت
بریلی شریف، موبائل:7906343315

عرض ناشر

الحمد لله! جانشین مفتی اعظم ہند، تاج الشریعہ حضرت علامہ مفتی محمد اختر رضا خاں قادری علیہ الرحمہ کی نہایت جامع اور علمی وفنی نکات سے بھرپور تصنیف "الصحابة نجوم الاهتداء" کا نہایت عمدہ اور سلیس اردو ترجمہ بنام "کواکب الاقتداء" میرے ہمشیرزادہ، نبیرۂ اعلیٰ حضرت صاحبزادہ مفتی محمد فیض رضا خاں ازہری سلمہٗ نے کیا ہے۔ ہمیں مسرت و شادمانی ہے کہ ہم یہ ترجمہ رضا اکیڈمی کی طرف سے شائع کررہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اسے شرف قبول عطا فرمائے۔ آمین

اسیر مفتی اعظم ہند
محمد سعید نوری، رضا اکیڈمی ممبئی

شرف انتساب

☆ جد امجد سیدی سرکار اعلیٰ حضرت، امام اہل سنت مجدد دین وملت **امام احمد رضا خاں** فاضل بریلوی

☆ جد امجد شہزادۂ اعلیٰ حضرت حجۃ الاسلام حضرت علامہ **مفتی محمد حامد رضا خاں** قادری

☆ تاجدار اہل سنت شہزادۂ اعلیٰ حضرت سیدی سرکار مفتی اعظم ہند **محمد مصطفیٰ رضا خاں**

☆ شہزادۂ حجۃ الاسلام مفسر اعظم ہند حضرت علامہ مفتی **محمد ابراہیم رضا خاں** جیلانی میاں

☆ اپنے دادا نبیرۂ اعلیٰ حضرت ریحان ملت حضرت علامہ مفتی **محمد ریحان رضا خاں**

☆ مصنف کتاب وارث علوم اعلیٰ حضرت تاج الشریعہ حضرت علامہ مفتی **محمد اختر رضا خاں** قادری ازہری علیہم الرحمۃ والرضوان، اپنے ابو حضور، خطیب اعظم نبیرۂ اعلیٰ حضرت، توصیف ملت حضرت علامہ **محمد توصیف رضا خاں** قادری بریلوی دامت برکاتہم القدسیہ اور اپنی **امّی** حضور مدظلہا النورانی کے نام ع

گر قبول افتد زہے عز و شرف

محمد فیض رضا خاں قادری بریلوی ازہری

دعائیہ کلمات

از:۔خطیب اعظم نبیرۂ اعلیٰ حضرت،توصیف ملت حضرت علامہ محمد توصیف رضا خاں قادری بریلوی دامت برکاتہم القدسیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اپنے اکلوتے فرزند ارجمند مولانا محمد فیض رضا خاں قادری ازہری زید مجدہ کی اِس قلمی کاوش کو دیکھ کر مجھ فقیر قادری کو وہی مسرت وشادمانی حاصل ہوئی جو ایک باغباں کو اپنے لگائے ہوئے پودوں کی اولین فصلِ بہاری کو دیکھ کر ہوتی ہے۔ پدرانہ شفقت کا تقاضہ تو یہ تھا کہ یہ فقیر اپنے کم سن فرزند کی فرقت گوارا نہ کرتا مگر مسلک و مذہب کی ترویج واشاعت کا تقاضہ یہ ہوا کہ میں یہ فرقت برداشت کروں۔ آخر کار ثانی الذکر کو غلبہ حاصل ہوا اور چھوٹی سی عمر ہی میں اپنے فرزند وہ بھی اکلوتے فرزند کی فرقت کو برداشت کر کے دیارِ غیر میں تحصیل علوم کے لئے بھیج دیا۔ اللہ کا شکر ہے کہ آج اس نے یہ دن دکھایا۔

فقیر قادری نے اپنے فرزند سے مذہب ومسلک کی ترویج واشاعت اور مرکز اہلسنت کی خدمات کے حوالے سے جو توقعات وابستہ کر رکھی ہیں مجھے امید ہے کہ ان شاء اللہ مستقبل قریب میں وہ ضرور پوری ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ مولانا فیض رضا سلمہ کی اس تحریری خدمت کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور اسے شرف قبول عطا فرمائے۔

آمین بجاه نبيه الكريم عليه افضل الصلوٰة و التسليم۔

فقیر قادری محمد توصیف رضا قادری غفرلہٗ

ھدیۂ تبریک

از:۔شہزادۂ تاج الشریعہ حضرت علامہ محمد عسجد رضا خاں قادری مدظلہ العالی

حامدا ومصلیا ومسلما!

والد بزرگوار تاج الشریعہ حضرت علامہ مفتی محمد اختر رضا خاں قادری ازہری علیہ الرحمۃ والرضوان کے اہم علمی وفنی شہ پاروں میں "الصحابة نجوم الاهتداء" نامی وہ مقبول ترین کتاب بھی ہے جسے اہل علم وفن نے خوب سراہا ہے۔اس کتاب کی زبان چونکہ عربی تھی۔اردو داں طبقہ کے لئے اس سے استفادہ ممکن نہ تھا۔اللہ کا شکر ہے کہ اردو داں طبقہ کے لئے حضرت والد بزرگوار کی اس کتاب سے استفادہ کو ممکن بنانے کے لئے عزیز گرامی مولانا محمد فیض رضا خاں قادری ازہری زید مجدہ نے اسے اردو کا قالب عطا فرمادیا۔مولانا محمد فیض رضا خاں سلمہ والد گرامی کے خلیفہ بھی ہیں،عقیدت مند بھی اور عاشق ومحبّ بھی۔مجھ فقیر قادری سے بھی بہت محبت والفت رکھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ اصل کتاب کی مقبولیت کی طرح موصوف کے اس ترجمہ کو بھی شرف قبول عطا فرمائے۔ان کے علم وعمل میں برکتیں نازل فرمائے۔آمین بحق طٰهٰ ويٰسٓ عليه صلوات الله رب العٰلمين۔

فقیر محمد عسجد رضا خاں قادری بریلوی غفرلہٗ

۹؍محرم الحرام ۱۴۴۰ھ بروز جمعرات

تقریظ جمیل

از:۔حضرت علامہ مفتی محمد اکبر ہزاروی، بانی ومہتمم دار العلوم پریٹوریا جنوبی افریقہ

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

و الصلوٰۃ و السلام علیٰ رسولہ الکریم وعلیٰ اٰلہ وصحبہ و امتہ اجمعین ۔

عزیز محترم صاحبزادہ محمد فیض رضا خاں عادل کی پیدائش ۱۲؍جنوری ۱۹۹۶ء کو بین الاقوامی مرکز اہل سنت بریلی شریف ہند میں ہوئی۔

اپنی نیک سیرت والدۂ محترمہ اور عظیم المرتبت والد بزرگوار ، نبیرۂ اعلیٰ حضرت و دنیائے اہل سنت کی نامور شخصیت، توصیف ملت حضرت مولانا توصیف رضا خاں صاحب زید مجدہ کی سرپرستی وتوجہ سے ابتدائی دینی ودنیاوی تعلیم کے حصول کا آغاز کیا۔

۲۰۱۰ء کو عالمی شہرت یافتہ تعلیمی مرکز دار العلوم پریٹوریا جنوبی افریقہ میں داخلہ لیا۔ دل جمعی کے ساتھ محنت وسعی پر، عمدہ نتیجہ اور طور طریقے اور عمدہ کردار کی بنا پر ہر دلعزیز شخصیت بنتے چلے گئے۔ خوش اخلاقی، ملنساری اور تواضع جیسے اوصاف حمیدہ کی بنا پر اپنے اساتذہ، منتظمین ادارہ، ہم مکتب ساتھیوں اور متعلقین ومتوسلین کے دلوں میں اترتے چلے گئے۔ جو یقیناً اس اعتبار سے بھی قابل تحسین امر ہے کہ فطرتاً صاحبزادگی کا ایک اپنا نفسیاتی رنگ اور تأثر ہوتا ہے جو دوسروں سے اپنے آپ کو برتر وممتاز سمجھ کر بے اعتنائی کا داعی ہوتا ہے مگر صاحبزادہ صاحب کا خانوادۂ اعلیٰ حضرت کی عظمت وشرف والی نسبت کے باوجود تواضع، انکساری اور ملنساری جیسے اوصاف یقیناً اللہ کریم کے فضل، نبی رحیم علیہ التسلیم کی توجہ سے مستقبل کی تابندگی کے لئے ایک سنگ میل کی علامت تھی۔

تواضع زگردن فرازانِ نکوست
گدا اگر تواضع کند خوئے اوست

۲۰۱۴ء میں صاحبزادہ صاحب نے اپنے والد بزرگوار اور اساتذہ کے مشورہ سے دنیا کی قدیم ترا ور مشہور تر اسلامی یونیورسٹی ''جامعہ ازہر مصر'' کے شعبہ '' الکلیۃ الشرعیۃ الاسلامیۃ'' سے ڈگری کے حصول کے لئے باقاعدہ وابستگی اختیار کی۔ اس میں نمایاں کامیابی کے حصول کے بعد اب ۲۰۱۸ء میں بھی مزید اعلیٰ تعلیم کے حصول کا یہ مبارک سلسلہ جامعہ ازہر کے اسی شعبہ میں جاری ہے اور '' الدراسات العلیا'' میں اعلیٰ ڈگری کے حصول کے لئے اپنے ہی جدامجد اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں علیہ رحمۃ الرحمٰن کے مشہور رسالہ '' کفل الفقیہ الفاھم فی احکام قرطاس الدراھم'' پر تحقیقی مقالہ لکھنے کی سعی میں مصروف عمل ہیں۔ وفقہ اللہ بجاہ حبیبہ الکریم علیہ السلام۔

صاحبزادہ صاحب ان دنوں جامعہ ازہر سے چھٹیاں گزارنے اپنے والدین واقارب سے ملنے انڈیا آئے ہیں اور یہاں بھی انہوں نے اپنے آپ کو ایک تعمیری اور مفید کام میں مصروف رکھا ہوا ہے اور اپنے دادا جان حضور ریحان ملت علیہ الرحمہ کے برادر اصغر قبلہ تاج الشریعہ کے ایک عربی شاہکار '' الصحابۃ نجوم الاھتداء'' کا اردو میں ترجمہ کررہے ہیں۔ جس کا مطالعہ بالتفصیل بنا بر قلت وقت و دیگر مشاغل اور عارضۂ قلب کی علت کے باعث نہ کرپایا۔ مگر کچھ چیدہ چیدہ مقامات دیکھنے سے صاحبزادہ موصوف کی علمی صلاحیت ومحنت قلبی تسکین ومسرت کا باعث ہوئی۔ بس دعائیہ کلمات کے ساتھ اس شعر پر اختتام کروں ؎

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

اللہ کریم اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے طفیل مترجم موصوف کو اس کا مصداق بنائے۔

ایں دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد

محمد اکبر ہزاروی دارالعلوم پری ٹوریا جنوبی افریقہ
۱۵/ذوالحجہ ۱۴۳۹ھ/۲۷/اگست ۲۰۱۸ء

اظہار مسرت

از:۔ مفتی محمد جان نعیمی مجددی، مہتمم دارالعلوم مجددیہ نعیمیہ پاکستان

بسم الله الرحمن الرحيم

نحمده نصلى و نسلم على رسوله الكريم الامين و علىٰ آله و اصحابه اجمعين۔

اما بعد!

خالق کائنات کے لئے لازوال تعریفیں جس نے اپنے کلام کی حفاظت کا ذمہ لیا اور اسی طرح اپنے محبوب ﷺ کے ارشادات گرامی کو بھی محفوظ رکھا اور بے شمار رحمتیں ان محدثین کرام پر جنہوں نے شب و روز ارشادات نبوی ﷺ کو ضبط تحریر میں لاکر محفوظ کیا۔ عظیم احسان ان مؤرخین ناقدین کا جنہوں نے احادیث مبارکہ کے حالات، جذبات علمیت عملیت کو ضبط تحریر کر کے ہمارے لئے آسانیاں پیدا کیں۔

زیر نظر رسالہ حضور تاج الشریعہ قدس سرہٗ العزیز نے حدیث مبارکہ "اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم" پرناقدین کی تنقید پر تفصیلی گفتگوفرمائی اوران کے اعتراضات کوعقلی ونقلی دلائل سے محققانہ انداز میں ردفرمایااور مذکورہ حدیث نبوی ﷺ کوحصول حدیث کے شرائط وضوابط کے مطابق صحیح ثابت کیا۔ جس سے حضورتاج الشریعہ قدس سرہٗ العزیز کے تبحر علمی کااندازہ لگایاجاسکتاہے۔

رسالہ چونکہ عربی زبان میں تھا جس سے عوام الناس استفادہ کرنے سے عاجز تھے پھر حضور تاج الشریعہ قدس سرہ العزیز کے گلشن کے چشم و چراغ حضرت صاحبزادہ فیض رضا ازہری رضوی مدظلہ العالی نے بہت ہی آسان اور بامحاورہ طریقے سے اس رسالہ کااردو زبان میں ترجمہ کیا۔ پڑھنے سے دل کوسکون، دماغ کو اطمینان، عقیدہ کوقوت حاصل ہوتی ہےاورمحبت کادریاموجزن ہوتا ہے۔

فقیر بارگاہ خداوندقدوس میں دعا گو ہے کہ آپ کے علم وعمل میں دن دوگنی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے اور پڑھنے والوں کواس سے استفادہ حاصل کرنے کی توفیق عطافرمائے اورامام اہل سنت حضرت سیدی سرکاراعلیٰ حضرت قدس سرہ کا فیض تاقیامت جاری وساری رکھے۔آمین بجاہ سیدالمرسلین ﷺ

كتبه

ابوعبیداللہ محمد جان مجددی نعیمی عفی عنہ

۹/ذوالحجہ ۱۴۳۹ھ یوم العرفہ

کلمات تحسین

از:۔ محقق اہلسنت صاحبزادہ مفتی حق النبی صاحب سکندری ازہری سندھ پاکستان

بسم الله الرحمن الرحيم

نحمده نصلی و نسلم علی رسوله سيدنا ومولانا و شفيعنا محمد و آلهٖ و اصحابه اجمعين۔

اما بعد!

اللہ رب العزت کی حکمت کے تحت ہر زمانے میں ایسے اشخاص پیدا ہوتے ہیں جو اپنی اکیلی ذات میں انجمن ہوتے ہیں اور سیکڑوں لوگوں کا کام وہ اکیلے سر کرتے ہیں۔ ماضی میں اس کی مثال حضرت امام اعظم ابوحنیفہ اوران کے تلامذہ میں نظر آتی ہے اور یہ سلسلہ آگے بڑھتا ہوا نظر آتا ہے۔ اور امت مسلمہ میں ایسے گوہر نایاب پیدا ہوتے رہے جنہیں دیکھ کر رشک آتا ہے اور ایسے لوگ سرور دوعالم ﷺ کی حدیث شریف" امتی امة مباركة" (میری امت بابرکت امت ہے) کا مصداق ہوا کرتے ہیں۔

اس سلسلے کی ایک کڑی ہمارے پاک و ہند میں مجدد دین وملت اعلیٰ حضرت عظیم البرکت بھی ہیں کہ جن کے فیض نے ایک عالم کو بابرکت بنایا اور آپ کی نظر وعلم نے کروڑوں مردہ دل جلائے۔ اعلیٰ حضرت کے اس خانوادے کی علمی روایات ہمیشہ نیر تاباں بن کر چمکتی رہی ہیں اوران شاء اللہ تا قیامت یہ سلسلہ جاری رہے گا۔

اس خانوادۂ رضا کی جلیل القدر ہستی حضرت تاج الشریعہ نور اللہ مرقدہٗ بھی تھے کہ جن کا حال ہی میں وصال ہوا۔ آپ کے وصال کے بعد دل پر ایک عجیب کیفیت طاری تھی مگر یہ یقین ضرور تھا کہ علم کی وہ شمع جو امام احمد رضا نے جلائی تھی وہ بجھنے والی نہیں۔

کتابِ ہذا ایک حدیث شریف کی تحقیق و تمحیص پر محققانہ عربی کاوش ہے جس سے استفادہ فقط علماء کے لئے ممکن تھا مگر کتاب کی اہمیت وافادیت کے پیش نظر خانوادہ رضا کے فرد اور ''فیض رضا'' کے مظہر حضرت مکرمی صاحبزادہ مفتی فیض رضا ازہری رضوی حفظہ اللہ نے اس اہم کتاب کو اردو قالب میں ڈھال کر ایک اہم کام سر انجام دیا ہے۔ اگر چہ یہ ترجمہ ہے پر عبارت و ترجمہ کی روانی وسلاست سے ایسا کہیں محسوس نہیں ہوتا کہ یہ ترجمہ ہے۔ فاضل مترجم نے پیرابندی اور اردو زبان کے برمحل الفاظ کا جو چناؤ رکھا ہے اس سے ان کی علمی قد کاٹھ کا واضح ثبوت ملتا ہے۔

فاضل مترجم سے میری شناسائی برسوں پر محیط ہے کہ اس خانوادے سے ہمارا تعلق ۱۹۶۰ء کی دہائی سے شروع ہوتا ہے کہ اسی خانوادہ کی ایک عظیم شخصیت حضرت مولانا تقدس علی خاں رضوی ہمارے والد گرامی حضرت سلطان الواعظین مفتیٔ اعظم سندھ، مفتی عبدالرحیم سکندری کے استاذ و مربی ہیں۔ حضرت علامہ تقدس علی خاں کی محبتیں و شفقتیں ہمارے گھرانے پر اس قدر رہیں کہ حضرت والد گرامی قدس سرہ العزیز نے وادیٔ سندھ کے گلی کوچوں میں بریلی کے امام احمد رضا کے چرچے عام کئے، سندھی عوام نے اس والہانہ محبت کے مناظر اس قدر دیکھے کہ یہ بولنے پر مجبور ہوئے'' سندھ کی سرزمین پر اگر ذکر رضا کا حق ادا کیا تو مفتی عبدالرحیم سکندری نے کیا''۔

اسی عظیم قدیمی روحانی و علمی تعلق کا ذرہ مجھ کو بھی ملا کہ کتاب ہذا کے مترجم فاضل زعیم، عالم فہیم، صاحب اخلاق محمدی حضرت میاں فیض رضا ازہری قادری رضوی سے سرزمین مصر پر ملاقات ہوئی۔ جامعہ ازہر کے اس تعلیمی زمانے میں محبت، شفقت، علم و عمل کا ایسا تعلق جڑا کہ اس نے سابقہ تعلقات کو جلا بخشی۔

فاضل ازہر، صاحب علم و عمل حضرت علامہ فیض رضا کو میں نے اسی زمانے میں ایک محنتی و صاحب فہم عالم پایا جو اپنے اکابر کے علم اور روایات کا امین و پاسدار

تھا۔آج ان کی اس کاوش کو دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی اور دل سے دعا نکلی کہ اللہ تعالیٰ ان کو مزید برکت سے نوازے اور اس ''فیض رضا'' کا فیض عام کرے۔آمین

حق النبی سکندری ازہری
جانشین سلطان الواعظین ،مفتی اعظم سندھ
حضرت علامہ مفتی عبدالرحیم سکندری نوراللہ مرقدہٗ،
شاہ پور چاکر شریف سندھ پاکستان

کلمات تبریک

از:۔ڈاکٹر محمد امجد رضا امجدؔ ادارہ شرعیہ پٹنہ

خانوادۂ رضا کی خدمات کا دائرہ مختلف جہات کو محیط ہے اور شاید یہ واحد خانوادہ ہے جو تقریبا تین صدی سے اپنے خون جگر سے علم عشق ادب اور مذہب کی آبیاری کررہا ہے۔حضور تاج الشریعہ اسی معدن علم ومعرفت کے لعل درخشاں تھے جس سے پوری دنیا نے اکتساب نور کیا اور آج بھی ان کے فیضان سے مالامال ہورہی ہے۔

بلاشبہ وارث علوم اعلیٰ حضرت حضور تاج الشریعہ علامہ الشاہ محمد اختر رضا قادری علیہ الرحمۃ والرضوان اعلیٰ حضرت کے مجددانہ وفقیہانہ طمطراق کی پہچان، حجۃ الاسلام کے فضل وکمال کی حجت وبرہان، مفتیٔ اعظم کی شان تقویٰ وفقاہت کی نادر مثال اور حضور مفسر اعظم ہند کے عارفانہ وعالمانہ کروفر کے آئینہ دار تھے۔ایک ذات میں اتنی شخصیات کے اوصاف وکمال کا اکٹھا ہوجانا یقیناً دلیل انفرادیت ہے جس کا اعتراف شرح صدر کے ساتھ اکابر علماء اور مشائخ نے کیا اور ان کی طرف رجوع کے لئے ہمیں ذہنی طور پر امادہ کردیا۔

حضور تاج الشریعہ ۱۹۴۲ء کو اس جہانِ گیتی میں تشریف لائے۔ چار سال بعد تعلیمی سلسلہ شروع ہوا جو منظر اسلام سے ہوتا ہوا جامعہ ازہر مصر تک پہنچا ۱۹۶۳ء میں آپ نے جامعہ ازہر مصر میں داخلہ لیا ۱۹۶۶ء میں فراغت ہوئی اور وہاں سے فاتحانہ کامیابی کے بعد آپ شہر محبت بریلی شریف واپس تشریف لائے۔ حضور مفتیٔ اعظم ہند نے آپ کا بریلی جنکشن جا کر استقبال کیا اور پھر ؎

من تو شدم تو من شدی من تن شدن تو جاں شدی
تا کس نہ گوید بعد ازاں من دیگرم تو دیگری

کی نگاہ معرفت ڈال کر اپنی صحبت شبانہ روز میں فقہی تربیت فرما کر اور ضرب حق ھو کے منازل سے گزار کر آپ کو اختر رضا سے جانشین مفتی اعظم اور پھر تاج الشریعہ بنا دیا۔ یہی وجہ ہے کہ حضور مفتی اعظم کے بعد آپ آسمان فضل و کمال پہ سورج کی طرح چمکے اور بادل بن کر برسے۔ کروڑوں دلوں پہ آپ نے حکمرانی کی مگر لمحہ بھر کے لئے نفس سرکش کو سرا بھارنے نہ دیا۔ عجز کا پیکر بن کر رہے، ایثار کا مجسمہ بن کر رہے، عامل سنت کا نمونہ بن کر رہے اور مقبولیت و مصروفیت کے نصف النہار پر پہنچنے کے بعد بھی علمی کاموں کے لئے رگِ حیات کا قطرہ قطرہ نچوڑنے والا بن کر رہے۔

تاریخ اس مرد حق آگاہ کو کیسے فراموش کر سکتی ہے جسے خلق خدا دو لمحے آرام کے لئے نہیں چھوڑتی مگر وہ ہوائی جہاز میں کتابوں کے تراجم لکھوا رہا ہے، ٹرین میں قصیدہ بردہ کی شرح لکھوا رہا ہے، دست بوسی سے دامن چھڑا کر علماء کے مابین مختلف فیہ مسائل کا جواب لکھوا رہا ہے، غیر ممالک کی چکا چوند فضا سے دامن کش ہو کر اعلیٰ حضرت کی کتابوں کی تعریب اور عربی کتب کے اردو ترجمہ کو جماعتی خدمت سمجھ رہا

ہے۔ اخیر عمر میں بولنا مشکل ہوگیا ہے مگر تکلیف گوارا کر کے بھی فتویٰ رضویہ کی عبارتوں کی تسہیل کروا رہا ہے۔ ہم نے کتابوں میں بزرگوں کے احوال پڑھے تھے، علمائے ربانیین کی فضیلتیں بھی پڑھی تھیں مگر حضرت کو قریب سے دیکھا تو سمجھ میں آیا کہ" الا ان اولیآء اللہ " کی تفسیر ایسے ہی لوگ ہیں۔ عابد کے مقابلے میں ایسے ہی عالم کا سونا عبادت ہے۔ شہید کے خون سے زیادہ وزن ایسے ہی عالم کے قلم کی سیاہی کا ہے، ایسے ہی عالم کی زیارت اور ان سے مصافحہ کو سرکار دو عالم ﷺ نے اپنی زیارت اور اپنا مصافحہ قرار دیا ہے۔ ہم خوش نصیب ہے کہ ہم نے ان کا زمانہ پایا، ان کی خدمت کی، ان سے وابستہ ہوئے اور خود کو محترم و قابل اعتبار بنایا۔

حضور تاج الشریعہ نے باں مصروفیت و غلبۂ امراض جو علمی خدمات انجام دی ہیں وہ حیرت انگیز ہیں۔ یقیناً اللہ رب العزت نے ان کے وقت میں برکت رکھی تھی ورنہ زندگی کے تین تہائی حصہ سے زائد سفر اور امراض کی شدت میں گزارنے کے باوجود ایسے وقیع علمی کاموں کا وقوع دوسروں سے متوقع نہیں۔ مختلف زبانوں میں لکھی گئیں آپ کی کتابیں بھی زبان و بیان، دلائل وشواہد، استشہاد واستنباط، تشریح و توضیح، تدقیق و تطبق اور تحقیق وتنقید کے اعتبار سے اس پایہ کی ہیں کہ بطور مصنف اگر حضور تاج الشریعہ کے نام کا اظہار نہ ہو تو اعلیٰ حضرت، حجۃ الاسلام اور مفتی اعظم کی کتاب ہونے کا گمان گزرے۔ یعنی حضور تاج الشریعہ واقعی " الولد سر لابیہ " کے آئینہ دار تھے۔ حضور تاج الشریعہ کی کتابوں کا معیار بہت بلند ہے اور بعض کتابیں تو کمال اعجاز کے سبب متن کا درجہ رکھتی ہے۔ آپ کی شروح وحواشی بھی ایسے ہیں جن کی تفہیم کے لئے شروح وحواشی کی ضرورت پڑے۔ یہ ایجاز و اختصار کوزے میں سمندر بھرنے کی مانند ہے جس کی توقع کسی کامل سے ہوسکتی ہے اور حضور تاج الشریعہ

یقیناً کاملوں میں سے تھے جنہوں نے بڑی سادگی اور بڑی خموشی کے ساتھ اپنے کمال فن کے قابل قدر نمونے چھوڑے۔

حضور تاج الشریعہ کی کتابوں میں "الصحابة نجوم الاهتداء" بھی بڑی مستند اور جامع کتاب ہے۔ اس کتاب سے جہاں حدیث پاک " اصحابی کا لنجوم " کی صحت کا اثبات ہوتا ہے وہیں علم حدیث اور فن اسماء الرجال پہ حضور تاج الشریعہ کے علمی وفنی گرفت کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ اس کتاب کی علمی اہمیت بقول مولانا فیضان الرحمٰن سبحانی ازہری اس وقت آشکارا ہوئی جب حضور تاج الشریعہ کے دورۂ جامعہ ازہری مصر کے وقت وہاں کے رئیس جامعہ کے اس موضوع پر حضور تاج الشریعہ کا علمی مذاکرہ ہوا اور انہوں نے تاج الشریعہ کے علمی دلائل سے مطمئن ہو کر اپنا موقف تبدیل کرلیا۔ راوی چونکہ واقعہ کے عینی شاہد ہیں جو اس وقت وہاں زیر تعلیم تھے اور اس ملاقات کے وقت حضرت کے ساتھ تھے اس لئے واقعہ کی صحت اپنی جگہ برقرار ہے اور جب ایسا ہے تو یقیناً وہ کتاب جس سے رئیس جامعہ ازہر بھی متاثر ہوں اہمیت کے حامل ہے۔ حضور تاج الشریعہ کی یہ کتاب چونکہ عربی زبان میں تھی اس لئے عرب دنیا میں اس کے اثرات مرتب ہوئے اور تاج الشریعہ کی تحقیقات سے لوگوں کو آشنائی ہوئی مگر مقام مسرت ہے کہ اب اس کا اردو ترجمہ منظر عام پہ آرہا ہے جس کی ضرورت شدت سے محسوس کی جارہی تھی۔ اللہ رب العزت اس ترجمہ کو قبول انام کی سند عطا فرمائے۔

کتاب ہذا کے ترجمہ نگار کوئی اور نہیں اسی خانوادہ کے فاضل جلیل، گلستانِ

رضا کے گل تازہ حضرت مولانا فیض رضا ازہری ہیں جو حضور تاج الشریعہ کے برادر اکبر حضرت ریحان ملت کے پوتے اور نبیرۂ اعلیٰ حضرت خطیب الہند حضرت علامہ الشاہ محمد توصیف رضا خاں مدظلہ العالی کے نور دیدہ ولخت جگر ہیں جو ۲۰۱۲ء سے تا دمِ تحریر جامعہ ازہر مصر میں تعلیم حاصل کررہے ہیں اور اس کے ساتھ ہی اپنے خاندانی علمی ورثہ کے تحفظ کے لئے میدان عمل میں مصروف کار بھی ہیں۔ گفتگو سے جذبہ میں پاکیزگی، حوصلوں میں پختگی اور عزم وارادے سے صلابت مترشح ہے۔ کچھ کرنے کے لئے اپنے کچھ ہونے کا احساس بہت ضروری ہے اور یہ احساس ہی آدمی کو سنبھال سنبھال کے مرتبۂ کمال تک پہنچاتا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ مرتبۂ کمال تک پہونچنے کے لئے فنائے ہستی ضروری ہے مگر فنائے ہستی سے پہلے وجود ہستی کا ادراک بھی ضروری ہے۔ مقام مسرت ہے کہ انہیں خانوادۂ رضا کا فرد ہونے کا احساس ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے جامعہ ازہر سے واپسی کے بعد کئی کتابوں کے ترجمہ کرڈالے اور کئی کتابوں کی ترتیب وتدوین اور تخریج وتحشیہ کا عمل جاری ہے۔ خدا کرے ان کا یہ جذبہ انہیں ہمیشہ متحرک و فعال رکھے اور ہر آنے والا دن ان کے لئے فتح مندی کا دن ثابت ہو۔

سگِ بارگاہِ رضا

محمد امجد رضا امجدؔ ادارہ شرعیہ پٹنہ (بہار)

یکم ذی الحجہ ۱۴۳۹ھ مطابق ۱۳/اگست ۲۰۱۸ء

عرض مترجم

حامدا و مصلیا و مسلما! تعلیمی مصروفیات میں سے وقت نکال کر فقیر کی یہ کوشش اور یہ وطیرہ رہتا ہے کہ اپنے اجداد اکرام خصوصاً سیدی سرکار اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تصنیفات و تالیفات اور آپ کے فتاویٰ و رسائل کا زیادہ سے زیادہ مطالعہ کروں۔ اسی مطالعہ کے درمیان جد امجد اعلیٰ حضرت عظیم البرکت علیہ الرحمہ کے ان رسائل کا بھی مطالعہ کیا کہ جو فن حدیث کے موتیوں اور لعل گہر سے بھرپور ہیں۔ فن حدیث اور اس سے متعلق دیگر فنون کے تعلق سے میرے جد امجد نے جو علمی نکات بیان فرمائے ہیں وہ واقعی لاجواب مفید اور بے مثال ہیں۔ ان رسائل کا مطالعہ کرنے کی وجہ سے میرے اندر بھی اس فن سے خصوصی دلچسپی پیدا ہوگئی۔ چنانچہ اس فن کے مواد کو خاص طور پر پڑھنے کا میں دلدادہ ہوتا چلا گیا۔ اسی دلچسپی کا یہ نتیجہ ہے کہ جب میرے مرشد اجازت حضرت تاج الشریعہ علیہ الرحمہ کی عربی کتاب ''الصحابۃ نجوم الاھتداء'' میرے سامنے آئی تو ایک ہی نشست میں اسے پورا کا پورا پڑھ لیا۔ اس کتاب کے مطالعہ سے میں نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ عربی زبان سے واقفیت رکھنے والے حضرات ہی تک اس کے فوائد کیوں محدود رہیں۔ یہ تو ایسی کتاب ہے کہ اس سے استفادہ عام سے عام تر ہونا چاہیئے۔ خاص کر ہمارا اُردو داں طبقہ جو ہمارے خاندان کے بزرگوں سے عقیدت و محبت رکھتا ہے، ان تک اس کے فوائد ضرور پہنچنا چاہئیں۔ ذہن و دماغ میں یہ تصور اتنا زیادہ جاگزیں ہوگیا کہ اس کا ترجمہ کرنے کا عزم کر کے حضرت کے وصال سے قبل حضرت سے اس کتاب کے ترجمہ کی اجازت حاصل کر لی۔ اسی درمیان پوری جماعت اہل سنت کو غم میں مبتلا کرنے والا وہ عظیم حادثہ ہوا کہ جس کا اثر پوری دنیائے سنیت میں بھرپور انداز میں محسوس کیا گیا۔ یعنی حضرت تاج الشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان اس دنیائے فانی سے تشریف لے گئے۔ دنیائے سنیت کے ہر خطہ سے اپنے اپنے طور پر لوگوں نے خراج

عقیدت پیش کیا اور ابھی بھی پیش کر رہے ہیں۔حضرت میرے مرشد اجازت ہیں اس لئے میں نے بھی یہ ارادہ کیا کہ ان کی بارگاہ میں ان ہی کی کتاب کے ترجمہ کے ذریعہ انہیں خراج عقیدت پیش کروں۔چنانچہ اسی ارادے کے ساتھ کام شروع کر دیا۔ہمارے خاندانی بزرگوں اور ہمارے مشائخ سلسلہ کا یہ فیضان کہ تین روز ہی میں یہ ترجمہ مکمل ہو گیا۔حضرت تاج الشریعہ علیہ الرحمہ کے عرس چہلم کے موقع پر اسے منظر عام پر لانے کے لیے طباعتی کوششیں شروع کر دیں مگر اسی درمیان مجھے مصر کا سفر کرنا پڑ گیا جس کی وجہ سے عرس چہلم کے موقع پر یہ ترجمہ منظر عام پر نہ آ سکا۔اس وجہ سے یہ خیال کیا کہ صد سالہ عرس رضوی پر اسے منظر عام پر لایا جائے۔

اظہارِ تشکر:۔ طباعتی مراحل سے گزارنے میں مفتی محمد خورشید عالم صاحب اور مولانا غلام معین الدین چشتی (اساتذہ جامعہ اعلیٰ حضرت) کا نمایاں کردار رہا۔شہزادۂ حضور مشہود ملت حضرت علامہ شایان رضا خاں صاحب، حضرت علامہ مولانا محمد شہزاد صاحب، استاذ جامعۃ الرضا نے اس ترجمہ کی تصحیح فرمائی۔مولانا محمود صاحب فاروقی منظری نے اس کی کمپوزنگ وتزئین کاری کی۔حضرت مفتی محمد سلیم صاحب بریلوی، استاذ جامعہ رضویہ منظر اسلام نے تصحیح، نظر ثانی، پروف ریڈنگ کرنے کے ساتھ اس ترجمہ پر ایک مفصل تقدیم بھی تحریر فرمائی۔اس طرح یہ ترجمہ اب آپ کے سامنے ہے۔اس ترجمہ کو منظر عام پر لانے میں ان حضرات نے جو محنت وکوشش کی ہیں ہم ان سب حضرات کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں اور دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو اس کا بہترین اجر عطا فرمائے اور حضرت تاج الشریعہ علیہ الرحمہ کی کتاب کے ساتھ اس ترجمہ کو بھی قبول عام عطا فرمائے۔آمین بجاه سید المرسلین علیه التحية والثناء۔

محمد فیض رضا خاں عادلؔ ازہری غفر له ولوالديه
مرکز اہل سنت درگاہ اعلیٰ حضرت خانقاہ رضویہ بریلی شریف

تقدیم

از:-محمد سلیم بریلوی، مدیر اعزازی ماہنامہ اعلیٰ حضرت واستاذ جامعہ رضویہ منظر اسلام

سوادِاعظم اہل سنت و جماعت کا سلفاً وخلفاً یہی عقیدہ رہا ہے کہ تمام صحابہ کرام عادل ہیں، ثقہ ہیں، ثبت ہیں، ان کی اقتداء، ان کی پیروی، ان سے محبت، ان کا ذکر خیر سے کرنا، ان کی بارگاہوں میں گستاخی نہ کرنا لازمی اور ضروری ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کی اسی دینی اور شرعی حیثیت کو اپنے ارشادات طیبہ کے ذریعہ بہت سے مقامات پر واضح فرمایا ہے۔ امت مسلمہ کے لئے ان کی اقتداء و پیروی کو لازمی قرار دیا ہے۔ چونکہ ان کی اقتداء و پیروی کرنا اور ان کو اپنا ہادی و رہنما ماننا بحیثیت مسلمان ہر ایک کے لیے لازم وضروری ہے اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم یہ جانیں کہ ان شخصیات کا مقام ومرتبہ کیا ہے؟ یہ کون سی مقدس جماعت ہے۔ ان کے اندر وہ کون سی ایسی خوبی ہے کہ جس کی وجہ سے اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو ہدایت کے ستارے قرار دیا۔ ان کی اقتداو پیروی کرنے کا حکم صادر فرمایا، اکابر امت، ائمہ کرام اور اسلاف عظام نے انہیں ہمیشہ اپنا مقتدا تسلیم کیا۔ امام اہل سنت مجدد دین وملت سیدی سرکار اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جن کی عظمت یوں بیان فرمائی۔

جس مسلماں نے دیکھا انہیں اک نظر
اُس نظر کی بصارت پہ لاکھوں سلام

افراط وتفریط کے بیچ طریقۂ مستوی اور مقصود ومطلوب تک پہنچانے والی وسطی شاہراہ کی یوں تعیین فرمائی کہ:

اہل سنت کا ہے بیڑا پار کہ اصحاب رسول
نجم ہیں اور ناؤ ہے عترت رسول اللہ کی

اس عظیم مقام ومرتبہ کے حامل جو افراد ہیں اُن کے مقام ومرتبہ کو سمجھنے کے لیے ضروری یہ ہے کہ پہلے یہ جانا جائے کہ یہ وصفِ صحابیت ہے کیا؟ صحابی کسے کہتے ہیں؟ صحابی کی تعریف کیا ہے؟ کون لوگ اس مقام کو حاصل کر سکتے ہیں؟ کن لوگوں کو یہ مقام حاصل ہوا؟ جن لوگوں کو یہ مقام حاصل ہوا ہم انہیں کِن اصولوں کی روشنی میں شناخت کریں؟ قرآن وحدیث اور اقوال اسلاف کی روشنی میں صحابہ کرام کی مقدس جماعت کے فضائل ومناقب کیا ہیں؟

صحابی کا لغوی معنیٰ:- صحابی ''الصحبة'' سے مشتق ہے۔یعنی ہر وہ شخص صحابی کہلاتا ہے کہ جس نے کسی دوسرے کی تھوڑی یا زیادہ مدّت تک صحبت اختیار کی ہو اور اُس کے ساتھ رہا ہو۔جیسے متکلّم، مخاطب، ضارب۔ یہ مکالمہ، مخاطبہ اور ضرب سے مشتق ہیں لہٰذا تھوڑی یا زیادہ گفتگو کرنے والے شخص کو متکلّم کہا جائے گا۔صحابی کے اسی لغوی معنی کے اعتبار سے اُس شخص کو بھی صحابی کہا جائے گا کہ جس نے دن کے ایک لمحے میں بھی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صحبت اختیار کی ہو۔امام سخاوی نے فرمایا کہ لغوی اعتبار سے صحابی کا اطلاق ہر اس شخص پر ہوگا کہ جس نے اتنی تھوڑی مدّت بھی صحبت اختیار کی ہو کہ جس پر صحبت کا اطلاق ہو سکے۔لہٰذا جن لوگوں کی صحبت بہت طویل اور جن کی مجالست بہت کثیر رہی ہو وہ تو بدرجۂ اولیٰ صحابی ہوں گے۔

(فتح المغیث للسخاوی، جلد۳ ؍صفحہ ۸۶ بحوالہ الاصابہ ص ۷ جلد ۱)

علمائے اصول کے نزدیک صحابی کی تعریف: امام ابوالحسین نے ''معتمد'' میں صحابی کی تعریف یوں کی کہ ''جو رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ طویل زمانے تک اتباع و پیروی اور ان سے اخذ وتعلیم کے طور پر رہا ہو اُسے صحابی کہیں گے''۔لہٰذا جن لوگوں کی مجالست تو طویل تھی لیکن اتباع کا قصد نہ تھا یا مجالست طویل تو نہ تھی مگر اتباع کا قصد تھا تو ایسے لوگ صحابی نہ کہلائیں گے۔

محدثین کے نزدیک صحابی کی تعریف:- ابوالمظفر سمعانی کے حوالے سے علامہ ابن صلاح نے یہ قول نقل کیا کہ ''اصحاب حدیث لفظ صحابہ کا اطلاق ہر اُس شخص پر کرتے ہیں جس نے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کوئی روایت کی ہو اگر چہ وہ ایک حدیث یا ایک کلمہ ہی کیوں نہ ہو''۔ صحابی کے اس اطلاق کے دائرے میں مزید وسعت دیتے ہوئے یہ اصحاب حدیث فرماتے ہیں کہ ''جس نے انہیں ایک نظر ہی کیوں نہ دیکھا ہو وہ بھی صحابی کہلائے جانے کا استحقاق رکھتا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مقام رفیع اس بات کا مقتضی ہے کہ ہر اُس شخص کو صحابی کا خطاب دیا جائے کہ جس نے آقا کو دیکھا ہو''۔

تابعین کرام کے حوالے سے بھی کتابوں میں صحابی کی مختلف تعریفات ملتی ہیں:

حضرت سعید بن مسیّب فرماتے ہیں کہ ''صحابی اُسے کہیں گے کہ جس نے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ ایک یا دو سال گزارے ہوں اور ان کے ساتھ ایک یا دو غزوات میں حصہ لیا ہو''۔

امام واقدی نے فرمایا کہ میں نے اہل علم کا یہ قول دیکھا ہے کہ ''ہر وہ شخص جس نے آقا کو دیکھا ہو اس حال میں کہ وہ سن بلوغ کو پہنچ گیا ہو، اسلام لے آیا ہو، امور دینیہ کی سمجھ اُس کے اندر پیدا ہوگئی ہو اور وہ شریعت کو پسند کرتا ہو تو وہ ہمارے نزدیک صحابی ہے اگر چہ دن کی ایک گھڑی ہی میں اس نے آقا کی زیارت کیوں نہ کی ہو''۔ یعنی اِن کے نزدیک صحابی ہونے کے لیے بالغ ہونا، مسلمان ہونا، مسائل شرعیہ کی فہم کا ہونا اور مذہب کا پسندیدہ ہونا شرط ہے۔

صحابی کی مذکورہ تمام اصطلاحی تعریفات کو نقل کرنے کے بعد علامہ ابن حجر عسقلانی نے ایک ایسی جامع تعریف فرمائی ہے کہ جس پر کوئی اعتراض واقع نہیں ہوتا اور وصفِ صحابیت سے متصف ہونے کا استحقاق رکھنے والے تمام حضرات اُس میں

شامل ہوجاتے ہیں۔

صحابی کی صحیح ترین تعریف:۔" من لقی النبی ﷺ فی حیاته مسلما و مات علی اسلا مه "یعنی جس نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اُن کی حیات طیبہ میں حالت ایمان میں ملاقات کی ہو اور اس کا خاتمہ بھی ایمان پر ہوا ہو تو اسے صحابی کہتے ہیں۔

اس تعریف کی رو سے وہ شخص بھی صحابہ کرام کی مقدس جماعت میں شامل ہو جائے گا کہ جس کی مجالست آقا کے ساتھ طویل رہی ہو، وہ بھی داخل ہوگا کہ جس کی کم رہی ہو۔ وہ بھی داخل ہوگا کہ جس نے ان سے روایت کی ہو یا روایت نہ کی ہو، آقا کے ساتھ غزوات میں شریک ہوا ہو یا نہ ہوا ہو۔ وہ لوگ بھی اس زمرے میں شامل ہو جائیں گے کہ جنہوں نے محض ایک ہی نظر دیکھا اور لمبی مجالست نہ رہی۔ اسی طرح وہ بھی صحابی کہلائے گا کہ جس نے انہیں کسی عرض عارض کی بنیاد پر نہ دیکھا ہو جیسے کے نابینا۔

مذکورہ تعریف ایک جنس اور دو فصلوں پر مشتمل ہے" من لقی النبی صلی الله علیه وسلم "یہ جنس ہے جس میں مسلم وکافر، بالغ ونابالغ ہر وہ شخص شامل ہے کہ جس نے اپنی زندگی میں آقا سے ملاقات کی ہو۔ لہٰذا وہ لوگ کہ جنہوں نے آقا کے وصال کے بعد اور تدفین سے پہلے آقا کو دیکھا تو وہ صحابی نہ کہلائے گا۔ جیسے "ابو ذؤیب الہزلی" شاعر کیونکہ اُنہوں نے آقا کو وصال کے بعد اور تدفین سے پہلے دیکھا تھا۔

"الایمان": مذکورہ تعریف میں "ایمان" فصل اول کی حیثیت رکھتا ہے کہ جس کی بنیاد پر وہ شخص مرتبۂ صحابیت پانے سے خارج ہوگیا کہ جس نے آقا کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت تو کی مگر ایمان کی حالت میں زیارت وملاقات نہ

کی۔اسی طرح وہ افراد کہ جو ہمارے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علاوہ دیگر انبیاء پر ایمان رکھتے تھے اور وہ اعلان نبوت سے پہلے ہی اس دنیا سے رخصت ہو گئے جیسے کہ اہل کتاب۔ یہ لوگ صحابی نہیں کہلائیں گے۔اب رہ گئے وہ اہل کتاب کہ جنہوں نے اعلان نبوت اور نزول وحی سے پہلے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ملاقات بھی کی اور اس بات پر ایمان بھی رکھا کہ وہ عنقریب مبعوث ہوں گے۔وہ اس زمرۂ صحابہ میں شامل کیے جائیں گے کہ نہیں؟ یہ محل احتمال ہے۔جیسے کہ ''بحیرہ راہب'' وغیرہم۔

"**مات علیٰ اسلامہ**": اسلام ہی پر خاتمہ ہونے والی یہ قید اور شرط اس تعریف میں فصل دوم کی حیثیت رکھتی ہے کہ جس سے وہ لوگ صحابی ہونے سے نکل گئے کہ جو آقا کے وصال کے بعد مرتد ہو گئے۔اب رہ گئے وہ لوگ کہ جو آقا کے بعد مرتد ہوئے پھر اسلام لائے اور حالت اسلام ہی میں اُن کی موت واقع ہوئی ایسے لوگوں کو صحابی کہا جائے گا یا نہیں؟ تو اس سلسلہ میں حضرت امام شافعی اور حضرت امام اعظم کا موقف یہ ہے کہ ارتداد یہ صحبت سابقہ کو ختم کر دیتا ہے۔جیسے کہ ''قرّہ بن میسرہ'' اور ''اشعث بن قیس''۔ یہ دونوں حضرات پہلے اسلام لائے پھر آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کے بعد مُرتد ہو گئے پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے زمانے میں دوبارہ اسلام لائے۔علامہ ابن حجر کے نزدیک ایسے لوگوں کو صحابی کے نام سے یاد کیا جائے گا۔نیز محدثین نے اپنی مرویات میں انہیں صحابہ ہی کے نام سے درج کیا ہے۔(الاصابہ مقدمۃ المحقق صفحہ ۷،۸،۹)

واضح رہے کہ یہ اختلاف اُن لوگوں کے بارے میں ہے کہ جو اسلام لانے کے بعد مُرتد ہوئے اور پھر اسلام لے آئے۔البتہ وہ لوگ کہ جن کی موت ہی ارتداد پر ہوئی وہ بالاتفاق صحابی کہلانے کے مستحق نہیں جیسے حضرت اُمِّ حبیبہ کا شوہر ''عبید اللہ بن جحش'' کہ یہ حضرت اُمِّ حبیبہ کے ساتھ اسلام لایا، اُس کے بعد حبشہ کی طرف

ہجرت کی مگر وہاں جا کر نصرانی ہو گیا اور اِسی حالت میں اُس کی موت واقع ہو گئی ۔اِسی طرح ''عبداللہ بن خطل'' اور ''ربیعہ بن امیہ بن خلف''۔

کیا ملائکہ میں سے بھی کوئی صحابی ہے؟ الاصابہ کے مقدمہ میں ملائکہ کے وصف صحابیت سے متصف ہونے کے سلسلے میں بیان کیا گیا کہ زُمرۂ صحابہ میں اُن کا داخل کرنا یہ محلِ نظر ہے اور اس کی وجہ بعض لوگوں نے یہ بیان کی کہ آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرشتوں کی طرف مبعوث نہیں ہوئے۔اس کو امام فخر الدین رازی نے ''اسرار التنزیل'' میں نقل فرمایا ہے۔اس کے برخلاف علامہ تقی الدین سُبکی نے فرمایا کہ وہ اِن کی طرف مبعوث ہوئے ہیں۔لہٰذا اس قول کی بنیاد پر یہ وصفِ صحابیت سے متصف کیے جاسکتے ہیں۔بہرحال کسی فرشتے کا زُمرۂ صحابہ میں داخل ہونا یہ ایک مختلف فیہ مسئلہ ہے۔

کیا جن صحابی ہو سکتے ہیں؟ چونکہ جن اُن اجسام ہوائیہ لطیفہ کو کہتے ہیں کہ جو مختلف شکلیں اختیار کرنے پر قادر ہوتے ہیں اور جن سے حیرت انگیز افعال صادر ہوتے ہیں۔اِن میں سے مومن بھی ہوتے ہیں اور کافر بھی۔اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا جنّات وصف صحابیت سے متصف ہو سکتے ہیں؟ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے الاصابہ میں راجح قول پیش کرتے ہوئے بتایا گیا کہ وہ جنات کہ جنہوں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حالت ایمان میں دیکھا یا اُن کی زیارت کی تو وہ بلا شبہ صحابی کہلانے کے مستحق ہیں کیونکہ یہ بات قطعی اور یقینی ہیں کہ اللہ کے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جن وانس دونوں کی طرف مبعوث ہوئے۔

صحابی کی شناخت کے طریقے :- کون صحابی ہے اور کون نہیں اس کی معرفت کے مندرجہ ذیل پانچ طریقے ہیں:

(١) خبر متواتر سے ثبوت: کسی صحابی کا صحابی ہونا خبر متواتر سے ثابت ہو۔ یعنی کسی کے صحابی ہونے کو اتنے لوگوں نے بتایا ہو کہ جن کا جھوٹ پر اجماع عقلاً وعادتاً محال ہو۔ ایسے لوگوں کا صحابی ہونا قطعی اور یقینی ہے جیسے خلفائے راشدین اور بقیہ عشرۂ مبشرہ۔

(٢) خبر مشہور اور خبر مستفیض سے ثبوت: یعنی وہ لوگ کہ جن کا صحابی ہونا خبر مشہور یا خبر مستفیض سے معلوم ہو جیسے کہ ''ضمام بن ثعلبہ'' اور ''عکاشہ بن محصن''۔

(٣) قول صحابی سے ثبوت: یعنی کسی کے صحابی ہونے کے بارے میں کسی ایک صحابی نے روایت کی ہو اور بتایا ہو کہ فلاں صحابی ہے جیسے ''حممة بن ابی احممة دوسی'' جن کے صحابی ہونے کے بارے میں حضرت ابوموسیٰ اشعری نے گواہی دی۔

(٤) قول تابعی سے ثبوت: کسی تابعی نے یہ خبر دی ہو کہ فلاں صحابی ہے ۔

(٥) خود اپنے قول سے ثبوت: کسی عادل وثقہ ایسے شخص نے کہ جس نے آقا کا زمانہ پایا ہو اُس نے خود اپنے بارے میں یہ خبر دی ہو کہ میں صحابی رسول ہوں تو اُس کی عدالت وثقاہت اور معاصرت رسول کے ثبوت کے بعد اُسے صحابی مانا جائے گا۔

اس سلسلہ میں ''اصابہ'' کے مقدمہ میں ایک ایسا جامع ضابطہ نقل کیا ہے کہ جس کی بنیاد پر صحابہ کرام کی اس مقدس جماعت میں کثیر افراد داخل ہو سکتے ہیں ۔ یہ ضابطہ تین نشانیوں پر مشتمل ہے۔ لہٰذا اُن تین نشانیاں کی بنیاد پر کثیر افراد زُمرۂ صحابہ میں داخل ہو جائیں گے۔

(۱) چونکہ غزوات میں صرف صحابہ کرام ہی شامل ہوتے تھے۔لہٰذا جن کا مرتد ہونا ثابت ہوجائے انہیں چھوڑ کر بقیہ جتنے بھی لوگ جنگوں میں شامل ہوئے وہ سب صحابی ہی ہوں گے۔

(۲) حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے فرمایا کہ کوئی بھی بچہ پیدا ہوتا تو اُسے آقا کی بارگاہ میں لایا جاتا۔آقا اُس کے لیے دعا فرماتے۔اِس قول کی بنیاد پر بھی صحابہ کرام کی تعداد بہت زیادہ ہوگی۔

(۳) مدینہ شریف، مکہ شریف، طائف اور اُس کے اِردگرد کے جتنے بھی خطے ہیں اُن میں رہنے والے سارے لوگ ہی اسلام لائے اور حجۃ الوداع کے موقع پر شریک ہوئے۔ایسی صورت میں جن لوگوں نے بھی آقا کو اس حج کے موقع پر دیکھا وہ زُمرۂ صحابہ ہی میں داخل ہونگے اگرچہ آقا نے اُن کو نہ دیکھا ہو۔(الاصابہ مقدمۃ التحقیق صفحہ۱۵،۱۶)

مذکورہ ضابطے سے یہ اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ صحابہ کرام کی تعداد بلا شبہ بہت زیادہ ہے اگرچہ ہمیں تفصیل کے ساتھ اُن کے نام اور اُن کی معیّن تعداد معلوم نہ ہو۔

صحابہ کا مقام و مرتبہ :- صحابہ کرام کو اللہ رب العزت نے بہت ہی عظیم مرتبہ عطا فرمایا ہے۔اِن کی عظمت و رفعت کا اندازہ اِسی بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ تمام صحابہ کرام بالاتفاق ایسے عادل و ثقہ ہیں کہ اِن میں سے کسی کی عدالت کے سلسلہ میں نہ تو کوئی سوال کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی کوئی تفتیش۔صحابۂ کرام کے عادل ہونے اور اِن کی عدالت پر قرآن و حدیث میں بہت سے دلائل موجود ہیں اس کے ساتھ ہی ان کی عدالت اجماع امت سے بھی ثابت ہے۔

عدالت صحابہ قرآن کی روشنی میں

قرآن کریم میں کئی جگہوں پر ہمارے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اِن پاکباز ساتھیوں کی تعریف وتوصیف کی گئی اور اِن کی عدالت کے بارے میں بتایا گیا۔اِن میں سے چند آیات یہاں پر نقل کی جارہی ہیں:

(۱) محمد رسول الله والذين معه اشدآء على الكفار رحمآء بينهم، تراهم ركعا سجدا يبتغون فضلا من الله ورضوانا، سيماهم فى وجوههم من اثر السجود، ذلك مثلهم فى التوراة، ومثلهم فى الانجيل كزرع اخرج شطأه۔ فآزره فاستغلظ فاستوى علىٰ سوقه يعجب الزراع ليغيظ بهم الكفار، وعد الله الذين آمنوا و عملوا الصٰلحٰت منهم مغفرة واجرا عظيما۔(الفتح ۲۹)

ترجمہ:- محمد اللہ کے رسول ہیں اوران کے ساتھ والے کافروں پرسخت ہیں اور آپس میں نرم دل۔تو انہیں دیکھے گا رکوع کرتے سجدے میں گرتے۔اللہ کا فضل ورضا چاہتے۔اُن کی علامت اُن کے چہروں میں ہے سجدوں کے نشان سے۔یہ اُن کی صفت توریت میں ہے اوراُن کی صفت انجیل میں۔جیسے ایک کھیتی اُس نے اپنا پٹّھا نکالا پھراُسے طاقت دی پھر دبیز ہوئی پھراپنی ساق پرسیدھی کھڑی ہوئی کسانوں کو بھلی لگتی ہے تاکہ اُن سے کافروں کے دل جلیں۔اللہ نے وعدہ کیا اُن سے جواُن میں ایمان اوراچھے کاموں والے ہیں بخشش اور بڑے ثواب کا۔(کنزالایمان)

(۲) للفقرآء المهاجرين الذين اخرجوا من ديارهم واموالهم يبتغون فضلا من الله ورضوانا، وينصرون الله ورسوله اولٰٓئك هم الصٰدقون۔ والذين تبوأ وا الدار والايمان من قبلهم يحبون من هاجر اليهم ولا يجدون فى صدورهم حاجة مما اوتوا ويوثرون على انفسهم ولو كان بهم خصاصة ومن يوق شح نفسه فاولٰٓئك هم

المفلحون۔(الحشر٨–٩)

ترجمہ:- اِن فقیر ہجرت کرنے والوں کے لیے جو اپنے گھروں اور مالوں سے نکالے گئے۔ اللہ کا فضل اور اُس کی رضا چاہتے اور اللہ و رسول کی مدد کرتے۔ وہی سچے ہیں اور جنہوں نے پہلے سے اِس شہر اور ایمان میں گھر بنالیا دوست رکھتے ہیں اُنہیں جو اُن کی طرف ہجرت کر کے گئے اور اپنے دلوں میں کوئی حاجت نہیں پاتے اُس چیز کی جو دیئے گئے اور اپنی جانوں پر اُن کو ترجیح دیتے ہیں اگرچہ انہیں شدید محتاجی ہو اور جو اپنے نفس کے لالچ سے بچایا گیا تو وہی کامیاب ہیں۔(کنز الایمان)

(٣)والذین آمنوا وھاجروا وجاھدوا فی سبیل اللہ والذین اٰووا وّنصروا اولٰٓئك ھم المومنون۔ حقا لھم مغفرة ورزق کریم۔(الانفال ٧٤)

ترجمہ: اور وہ جو ایمان لائے اور ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں لڑے اور جنہوں نے جگہ دی اور مدد کی وہی سچے ایمان والے ہیں۔ اُن کے لیے بخشش ہے اور عزت کی روزی۔(کنز الایمان)

(٤)لقد رضی اللہ عن المؤمنین اذیبایعونك تحت الشجرة فعلم ما فی قلوبھم، فانزل السکینة علیھم واثابھم فتحا قریبا۔(الفتح ١٨)

ترجمہ:- بے شک اللہ راضی ہوا ایمان والوں سے جب وہ اُس پیڑ کے نیچے تمہاری بیعت کرتے تھے۔ تو اللہ نے جانا جو اُن کے دلوں میں ہے تو اُن پر اطمینان اتارا اور انہیں جلد آنے والی فتح کا انعام دیا۔(کنز الایمان)

(٥)یٰٓا ایھا الذین اٰمنوا اتقوا اللہ وکونوا مع الصٰدقین۔(التوبة١١٨)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ ہو۔

(کنزالایمان)

(٦)والسٰبقون الاولون من المھٰجرین والانصار والذین اتبعوھم باحسان رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ واعد لھم جنٰت تجری تحتھا الانھار خٰلدین فیھا ابدا ذلک الفوز العظیم۔(التوبة ١٠٠)

ترجمہ: اورسب میں اگلے پہلے مہاجر اور انصار اور جو بھلائی کے ساتھ اُن کے پیرو ہوئے۔ اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی اور ان کے لیے تیار کرر کھے ہیں باغ جن کے نیچے نہریں بہیں ہمیشہ ہمیشہ اُن میں رہیں یہی بڑی کامیابی ہے۔(کنزالایمان)

(٧)وکذٰلک جعلنٰکم امة وسطا۔(البقرة ١٤٣)

ترجمہ: اور بات یوں ہی ہے کہ ہم نے تمہیں کیا سب امتوں میں افضل۔(کنزالایمان)

(٨)کنتم خیر امة اخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنھون عن المنکر وتؤمنون باللہ۔(آل عمران ١١٠)

ترجمہ: تم بہتر ہواُن سب امتوں میں جو لوگوں میں ظاہر ہوئیں بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔(کنزالایمان)

(٩)وجاھدوا فی اللہ حق جھادہ ھوا جتبٰکم وما جعل علیکم فی الدین من حرج۔ ملة ابیکم ابراھیم ھو سمّٰکم المسلمین من قبل وفی ھذا لیکون الرسول شھیدا علیکم وتکونوا شھداء علی الناس۔(الحج ٧٨)

ترجمہ: اور اللہ کی راہ میں جہاد کرو جیسا حق ہے جہاد کرنے کا۔ اُس نے تمہیں

پسند کیا اور تم پر دین میں کچھ تنگی نہ رکھی۔ تمہارے باپ ابراہیم کا دین۔ اللہ نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے اگلی کتابوں میں اور اس قرآن میں تا کہ رسول تمہارا نگہبان اور گواہ ہو اور تم اور لوگوں پر گواہی دو۔ (کنز الایمان)

(۱۰) قل الحمد لله وسلٰم علی عباده الذین اصطفی۔(النمل ۵۹)

ترجمہ: تم کہو سب خوبیاں اللہ کو اور سلام اُس کے چنے ہوئے بندوں پر۔ (کنز الایمان)

"عباده الذین اصطفی" اللہ کے وہ بندے کہ جنہیں اللہ تعالیٰ نے چُن لیا ہے یہ کون لوگ ہیں؟ اِس سلسلہ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ ان سے مراد نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مقدس صحابہ کرام ہیں کہ جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے منتخب فرمایا۔

عدالت صحابہ احادیث کریمہ کی روشنی میں: جن لوگوں نے ہوش و ایمان کی حالت میں آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا یا آقا کی صحبت میں حاضر ہوئے پھر ایمان پر ہی اُن کا خاتمہ بھی ہوا ایسے لوگوں کی عدالت قرآن سے بھی ثابت ہے، احادیث کریمہ سے بھی اور اجماع امت سے بھی۔ صحابۂ کرام کی عظمت و رفعت اور فضائل و مناقب کے سلسلہ میں بہت سی احادیث کریمہ موجود ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ وہ مقدس جماعت ہے جو تمام مسلمانوں سے افضل ہے۔ ان کو برا نہ کہا جائے روئے زمین کے سارے ولی، غوث، قطب اور ابدال کسی ایک صحابی کے گرد قدم تک نہیں پہنچ سکتے۔ ان پر طعن جائز نہیں۔ ان کا ذکر خیر کے ساتھ کیا جائے۔ انہیں ہادی و راہنما مانا جائے۔ اس سلسلہ میں چند احادیث کریمہ ذیل میں نقل کی جاتی ہیں:

(۱) عن ابی سعید عن النبی۔علیه السلام۔ قال: لا تسبوا

اصحابی،فوالذی نفسی بیده لو ان احدکم انفق مثل احد ذهبا ما ادرك مد احدهم ولا نصیفه۔(بخاری،کتاب فضائل الصحابة)

ترجمہ :- حضرت ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے صحابہ کو بُرا نہ کہو کیونکہ اگر تم میں سے کوئی شخص اُحد پہاڑ کے برابر بھی سونا خیرات کرے تو وہ اِن صحابہ میں سے کسی ایک کے ایک مُد کو بھی نہ پہونچے اور نہ آدھے مُد کو۔(چار مُد کا ایک صاع ہوتا ہے ایک صاع ساڑھے چار سیر کا تو اس لحاظ سے ایک مُد ایک سیر آدھ پاؤ کا ہوا یعنی تقریباً سوا سیر)

واضح رہے کہ یہاں یہ خطاب حضرت خالد بن ولید اور اُن کے اُن ساتھیوں سے ہے کہ جو صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کے موقع پر ایمان لائے۔اب آپ اندازہ لگائیں کہ جب حضرت خالد بن ولید جیسے صحابۂ کرام کا اللہ کی راہ میں اُحد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرنا اللہ کے نزدیک ان صحابہ کرام کے اس ایک مُد یا آدھے مُد کے برابر نہیں کہ جوانہوں نے ابتدائے اسلام میں راہِ خدا میں خرچ کیا تو پھر بعد کے عام مسلمان صحابہ کرام کے مثل کیسے ہوسکتے ہیں؟اور یہ مقدس صحابہ کرام فقہ وفتاویٰ میں صواب ودرستگی سے کیسے محروم کیے جاسکتے ہیں؟

(۲) وعن عبد الله بن مغفل المزنی قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علییه وسلم: الله الله فی اصحابی، الله الله فی اصحابی لا تتخذوهم غرضا بعدی، فمن احبهم فبحبی احبهم، ومن ابغضهم فببغضی ابغضهم، ومن آذاهم فقد آذانی ومن آذانی فقد آذی الله، ومن آذی الله فیوشك ان یا خذه۔

(ترمذی جلد۵ / ۶۵۳کتاب المناقب)

ترجمہ:- حضرت عبداللہ ابن مغفل سے روایت ہے کہ آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا

ارشاد گرامی ہے کہ میرے صحابہ کے سلسلہ میں اللہ سے ڈرو! اللہ سے ڈرو! میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرو! میرے بعد انہیں نشانۂ تنقید و تنقیص نہ بناؤ کیونکہ جس نے اُن سے محبت کی تو میری محبت کی وجہ سے اُن سے محبت کی اور جس نے اُن سے بغض رکھا تو مجھ سے بغض کی وجہ سے اُن سے بغض رکھا اور جس نے انہیں ستایا اُس نے مجھے ستایا اور جس نے مجھے ستایا اُس نے اللہ کو ایذا پہونچائی اور جس نے اللہ کو ایذا دی تو بہت جلد اللہ اُس کی گرفت فرمائے گا۔

خلاصہ یہ ہے کہ صحابۂ کرام کی عداوت اللہ و رسول سے عداوت و دشمنی اور بغض و کینہ رکھنے کی علامت ہے۔

(۳) عن ابی بُردہ عن ابیه قال: رفع یعنی النبی صلی الله علیه وسلم رأسه الی السماء وکان کثیرا مما یرفع رأسه الی السماء، قال النجوم امنة لاهل السماء، فاذا ذهبت النجوم اتی اهل السماء ما یوعدون وانا امنة لا صحابی، فاذا ذهبت اتی اصحابی ما یوعدون، واصحابی امنة لا متی،فاذا ذهب اصحابی اتی امتی ما یوعدون۔

(مسلم جلد ۳/ ۱۹۶۱ کتاب فضائل الصحابة)

ترجمہ:- حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرزند حضرت ابوبُردہ اپنے والد سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنا سرِ مبارک آسمان کی طرف اُٹھایا اور آقا اکثر اپنا سرِ مبارک آسمان کی طرف اٹھاتے تھے۔اُس کے بعد آقا نے ارشاد فرمایا کہ تارے آسمان کے لئے امان ہیں لہٰذا جب تارے جاتے رہیں گے تو آسمان والوں کو وہ پہونچے گا جس کا اُن سے وعدہ ہے اور میں اپنے صحابہ کے لیے امان ہوں تو جب میں چلا جاؤں گا تو میرے صحابہ پر وہ گزرے گا جس کا اُن سے وعدہ ہے اور میرے صحابہ میری امت کے لیے

امان ہیں جب میرے صحابہ چلے جائیں گے تو میری اُمت کو وہ پہونچے گا جن کا اُن سے وعدہ ہے۔

واضح رہے کہ قیامت میں پہلے تارے جھڑیں گے پھر آسمان پھٹیں گے اِس لیے جب تک آسمان پر تارے ہیں تو آسمان محفوظ ہیں اِسی طرح جب تک آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ظاہری حیات میں صحابہ کے درمیان موجود رہے صحابہ کرام آپسی لڑائی جھگڑوں سے محفوظ رہے۔ اِسی طرح جب تک صحابہ کرام موجود رہے تب تک فتنے اتنے عام نہ ہوئے مگر جیسے ہی دورِ صحابہ ختم ہوا دین میں بگاڑ و فساد اور فتنے بے انتہاء پیدا ہو گئے۔

(٤) عن عمران بن حصين قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم خير امتى القرن الذى بعثت فيهم، ثم الذين يلونهم، ثم الذين يلونهم۔ (مسلم ،كتاب فضائل الصحابة)

ترجمہ:- حضرت عمران بن حصین سے روایت ہے کہ آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری اُمت میں سب سے بہترین جماعت وہ ہے کہ جس میں میں مبعوث ہوا۔ پھر وہ لوگ جو اُس سے قریب ہوں پھر وہ جو اُن سے قریب ہوں۔

اس حدیث پاک میں پہلے قرن سے مراد صحابہ کرام، دوسرے سے تابعین تیسرے سے تبع تابعین۔ زمانۂ صحابہ ظہور نبوت سے ۱۲۰/سال تک رہا یعنی ۱۰۰/ہجری تک، زمانۂ تابعین ۱۰۰/سے ۱۷۰/ہجری تک اور زمانۂ تبع تابعین ۱۷۰/ہجری سے ۲۲۰/ہجری تک۔ (مرأۃ المناجیح جلد ۶/صفحہ ۳۳۹)

اس حدیث پاک سے تمام صحابہ کرام کا عادل و اخیار ہونا مطلقاً ثابت

ہے۔یعنی جتنے بھی خیر اور بھلائی کے ابواب و میدان ہیں سبھی میں صحابہ کرام کا عادل، مظفر، منصور اور اخیار ہونا ثابت ہے۔

عدالت صحابہ اقوال ائمہ کی روشنی میں :- امام نووی فرماتے ہیں کہ الصحابة كلهم عدول یعنی تمام صحابہ عادل و ثقہ ہیں۔

☆امام الحرمین فرماتے ہیں کہ اُن کی عدالت کے سلسلہ میں تحقیق و تفتیش نہ کئے جانے کا سبب یہ ہے کہ یہ صحابہ کرام شریعت کے علمبردار ہیں لہٰذا اگر اِن کی روایت میں تفتیش عدالت کی بنیاد پر توقف ہو جائے تو شریعت مطہرہ آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے ہی تک محدود ہو جائے گی۔

☆حضرت ابو زرعہ فرماتے ہیں کہ اگر تم کسی شخص کو کسی صحابیِ رسول کی شان میں گستاخی کرتے ہوئے دیکھو تو جان لو کہ وہ بلا شبہ زندیق ہے کیونکہ ہمارے رسول حق ،قرآن حق اور جو کچھ آقا لے کر آئے وہ حق اور یہ تمام چیزیں ہمیں صحابہ کرام ہی نے عطا فرمائیں۔ یہ زندیق چاہتے ہیں کہ صحابہ کرام کو مجروح قرار دے کر قرآن و حدیث کے نصوص کو ہی مجروح کر ڈالیں۔

☆امام ابن صلاح کا قول ہے کہ تمام صحابہ کرام کی عدالت پر پوری امت کا اجماع ہے۔اب رہ گیا معاملہ حضرت علی اور حضرت معاویہ جیسے چند صحابہ کے درمیان ہونے والے مشاجرات کا تو اِن کا ثبوت علم تاریخ وغیرہ سے ہے جو صرف ظن کا افادہ کرتے ہیں لہٰذا ثبوت ظنّی ،ثبوت قطعی کی تردید نہیں کرسکتا۔امام مالک فرماتے ہیں کہ جو کسی صحابی کی شان میں گستاخی کرے اُس کا "فئ مسلم "میں کوئی حق نہیں۔

تفضیل صحابہ اور عقیدۂ اہل سنت: یوں تو صحابہ کرام کی تعداد تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے۔

(مرأۃ المناجیح، جلد ۷)

نیز یہ صحابہ کرام علم و فضل، فضائل ومناقب، عظمت و رفعت اور قدر و منزلت کے اعتبار سے مختلف طبقات میں منقسم ہیں: ہجرت مدینہ سے پہلے اسلام لانے والوں کا مقام و مرتبہ کچھ اور ہے اور ہجرت مدینہ کے بعد اسلام لانے والوں کا کچھ اور۔ ہجرت حبشہ کرنے والوں کا مقام کچھ اور ہے اور ہجرت مدینہ والوں کی فضیلت کچھ اور ہے۔ بیعت رضوان اور فتح مکہ میں شامل صحابہ کے مناقب کچھ اور ہیں اسی طرح بدری صحابہ کے مناقب کچھ اور ہے اور غزوۂ احد یا دیگر غزوات میں شریک ہونے والوں کے کچھ اور۔ یونہی فتح مکہ سے پہلے اسلام قبول کرنے والوں کے مناقب کچھ اور ہے اور فتح مکہ کے بعد اسلام قبول کرنے والوں کے کچھ اور۔ فضائل ومناقب اور علم و فضل کے اس تفاوت کے باوجود سارے صحابہ من حیث المجموع صحابیِ رسول ہونے کی حیثیت سے ہمارے ہادی و راہنما اور قائد و مقتدیٰ ہیں اور سب کے سب عادل و ثقہ ہیں کہ ان میں سے ہر ایک سے اللہ رب العزت نے بھلائی کا وعدہ فرمایا ہے۔

یہ بات اجمالاً معلوم ہو چکی ہے کہ بعض صحابہ کرام بعض سے افضل ہیں مگر اب سوال اس بات کا ہے کہ ان صحابہ کرام میں سب سے افضل صحابی کون سے ہیں؟ تو اس سلسلہ میں ہم اہل سنت و جماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد مطلقاً سب سے افضل صحابی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں اور اُن کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ اِن دونوں کی افضلیت پر اہل سنت کا اجماع قائم ہے۔ اس اجماع کو نقل کرنے والے ابو العباس قرطبی فرماتے ہیں کہ ائمۂ سلف و خلف میں سے کسی کا اس سلسلہ میں کوئی اختلاف نہیں اور اہل تشیع اور اہل بدعت کے اقوال کی کوئی حیثیت نہیں۔ حضرت امام شافعی نے بھی صحابہ کرام اور تابعین حضرات کا تفضیل شیخین پر اجماع نقل کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ حضرت ابو بکر اور حضرت عمر کے افضل ہونے کے سلسلہ میں صحابہ کرام اور تابعین میں سے کسی

کا کوئی اختلاف نہیں البتہ حضرت علی اور حضرت عثمان میں سے کس کو کس پر افضلیت حاصل ہے اِس میں ضرور بعض لوگوں کا اختلاف ہے۔ مگر زیادہ تر اہل سنت کا رجحان اس طرف ہے کہ خلفائے راشدین میں افضلیت کا اعتبار اُن کی خلافت کے اعتبار سے ہے۔ یعنی سب سے پہلے حضرت ابو بکر پھر حضرت عمر پھر حضرت عثمان پھر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ (شرح فقہ اکبر)

حضرت ابو بکر کی افضلیت کے سلسلہ میں حضرت امام بخاری نے حضرت عمرو بن عاص کے حوالے سے ایک روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے جب آقا ﷺ سے سوال کیا کہ آپ کے نزدیک لوگوں میں سب سے افضل کون ہے؟ تو آقا ﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اِن کے والد محترم! یعنی حضرت ابو بکر اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالے سے بخاری شریف میں ایک روایت اس طرح درج ہے کہ ہم نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے میں حضرت ابو بکر کے برابر کسی کو نہ گردانتے ،اُن کے بعد حضرت عمر کے برابر اور اُن کے بعد حضرت عثمان کے برابر کسی کو نہ سمجھتے تھے۔ (بخاری شریف جلد اول باب مناقب ابی بکر)

محمد بن حنفیہ کی روایت میں یہ ہے کہ میں نے اپنے والد صاحب سے پوچھا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے افضل کون ہے؟ تو انہوں نے حضرت ابو بکر کا نام لیا۔ میں نے کہا کہ اُن کے بعد تو اُنہوں نے حضرت عمر کا نام لیا ۔ مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں حضرت عمر کے بعد وہ حضرت عثمان کا نام نہ لے لیں اس لیے میں نے جلدی سے کہا کہ عمر کے بعد آپ؟ تو حضرت علی نے فرمایا میں تو مسلمانوں کا صرف ایک فرد ہوں۔ ان روایات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ تمام صحابہ میں سب سے افضل حضرت ابو بکر پھر حضرت عمر پھر حضرت عثمان غنی اور پھر حضرت علی کرم اللہ وجہ

الکریم ہیں۔

صحابہ کرام اور فقہ اسلامی: قرآن کریم مجمل ہے جس کی توضیح حدیث نے فرمائی اور حدیث مجمل ہے جس کی تشریح شرعی اصولوں اور صحابہ کرام کے اقوال، افعال، اور احکام کی روشنی میں مجتہدین کرام نے فرمائی۔ جیسا کہ قرآن کریم میں اس ترتیب کو یوں بیان فرمایا گیا کہ "تبیانا لکل شئ "یعنی قرآن کریم میں ہر چیز کا روشن بیان ہے۔ تو کوئی ایسی بات نہیں جو قرآن میں نہ ہو مگر ساتھ ہی فرما دیا "وما یعقلها الا العٰلمون "یعنی اس کی سمجھ نہیں مگر عالموں کو۔ اسی لیے قرآن کریم کے مجملات اور اس کے نصوص کے محمل و مراد کو جاننے اور سمجھنے کے لیے قرآن کریم کا علم رکھنے والے نفوس قدسیہ کی بارگاہوں میں زانوئے ادب تہ کرنے کا یوں حکم دیا کہ "فاسئلوا اهل الذكر ان كنتم لاتعلمون"

ترجمہ:۔ علم والوں سے پوچھو اگر تم نہ جانتے ہو۔ چونکہ علم والے محض اپنے علم اور اپنی عقل سے قرآن کو سمجھنے پر قادر نہیں بلکہ اس کے لیے انہیں آقا کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی بارگاہ بے کس پناہ میں حاضر ہونا ہوگا چنانچہ اسی آیت سے متصل اس بات کو یوں بیان فرمایا کہ:

"وانزلنا اليك الذكر لتبين للناس مانزل اليهم"

ترجمہ:۔ اے نبی! ہم نے یہ قرآن تیری طرف اس لیے اتارا کہ تو لوگوں سے شرح بیان فرمادے اس چیز کی جو ان کی طرف اتاری گئی۔

چاروں آیات کا ترتیب وار اب حکم یہ رہا کہ اے جاہلو! تم علما کے کلام کی طرف رجوع کرو اور اے عالمو! ہمارے رسول کا کلام دیکھو تو ہمارا کلام سمجھ میں آئے۔

(ماخوذ از فتاویٰ حامدیہ صفحہ ۱۲۶، ۱۲۷ مطبوعہ رضوی کتاب گھر دہلی)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب تک اس ظاہری دنیا میں موجود رہے تب تک صحابہ کرام کو اپنے تمام تر مسائل دینیہ اور مسائل دنیویہ میں آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علاوہ کسی کی حاجت اور ضرورت نہ تھی۔ جب بھی انہیں کوئی ضرورت پیش آتی، یا قرآن کریم کی آیات کا محمل اور ان کی مراد سمجھنے کی ضرورت پڑتی یا کوئی نیا مسئلہ ان کے سامنے آتا اس کے سلسلہ میں وہ آقا کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ سلم سے سوال کرتے تب آقا یا تو وحی کے ذریعہ یا اپنے اجتہاد کے ذریعہ انہیں ان کا مطلوبہ جواب عنایت فرمادیتے۔اسی طرح کبھی یوں بھی ہوتا کہ ہر صحابی آقا سے پوچھنے کی ہمت نہ کرپاتے یا یہ کہ انہیں براہ راست معلوم کرنے کا موقع میسر نہ آتا تو وہ دوسرے صحابہ سے اس مسئلہ کا حکم دریافت کرلیتے تو یہ صحابہ کرام اپنے اجتہاد کے ذریعہ اس کا جواب عنایت فرمادیتے۔کبھی یوں بھی ہوتا کہ صحابہ کرام کسی حکم عمومی کی توجیہ اپنے اجتہاد سے کرکے اس سے مسائل کا استخراج اپنے اپنے طور پر کرتے جس کی وجہ سے کبھی کبھی ایک فریق کا موقف دوسرے فریق کے خلاف ہوتا پھر آقا تک یہ معاملات پہنچتے تو جو فریق اپنے اجتہاد میں صواب پر ہوتا اس کو برقرار رکھتے اور تصویب فرمادیتے اور جس سے خطائے اجتہادی سرزد ہوجاتی اس کی خطائے اجتہادی کو واضح فرمادیتے مگر ایسی کوئی روایت نہیں ملتی کہ خطائے اجتہادی کرنے والے صحابہ کرام پر اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ناراضگی کا اظہار فرمایا ہو یا ان کی اتباع میں اس پر عمل کرنے والے لوگوں سے توبہ کا مطالبہ کیا ہو کیونکہ یہ خطا، خطائے عنادی نہیں بلکہ خطائے اجتہادی ،وہ بھی خطائے مقرر کہ جس کے صاحب پر انکار نہیں کیا جاتا۔ اس لیے کہ یہ وہ خطائے اجتہادی ہے جس سے دین میں کوئی فتنہ پیدا نہیں ہوتا جیسے احناف کے نزدیک مقتدی کا امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنا۔

(ماخوذ از بہار شریعت جلد اول صفحہ ۲۵۶ مطبوعہ مکتبۃ المدینہ کراچی)

بلکہ اس خطا پر تو مجتہد کو اجر دیا جاتا ہے۔ نیز اصول شرع اگرچہ چار ہیں کتاب اللہ، حدیث رسول اللہ، اجماع اور قیاس مگر اصولی حضرات نے صحابہ کرام کے ان اقوال کو کہ جن کا حکم معقولی و قیاسی نہ ہوا نہیں اجماع میں اور جن کا حکم معقولی و قیاسی ہو اُن کو قیاس میں داخل فرمایا ہے لہٰذا اقوال صحابہ بھی اصول شرع کا ہی حصہ ہیں۔

(ماخوذ از نور الانوار صفحہ ۹ / مطبوعہ مجلس برکات)

یہ بھی حقیقت ہے کہ یہ تمام صحابہ کرام علم و فقہ میں برابر نہیں تھے۔ اسی طرح یہ بات بھی ثابت شدہ ہے کہ غیر مجتہد صحابہ مجتہد صحابہ کرام کے استخرج و استنباط سے ثابت شدہ احکام پر عمل پیرا ہوتے تھے۔ اسی طرح وہ مسلمان جو ممالک مفتوحہ اور دور دراز کے علاقوں میں رہتے تھے تو وہ اپنے مسائل کا حل ان صحابہ کرام سے دریافت کرتے کہ جو اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے ان دور دراز کے علاقوں میں وفد کی صورت میں بھیجے جاتے تھے۔ آقا کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ تک شریعت اسلامیہ کے مسائل کا حل مذکورہ بالا طریقوں پر ہوتا رہا لیکن جب آقا کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس ظاہری دنیا سے تشریف لے گئے تو سلطنت تشریعیہ خلفائے راشدین اور اکابر صحابہ کرام کی طرف منتقل ہوگئی۔ جیسے جیسے سلطنت اسلامیہ اور فتوحات اسلامیہ کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا گیا ویسے ویسے مسائل جدیدہ بھی سامنے آتے رہے۔ ان ممالک مفتوحہ میں چونکہ صحابہ کرام کی مقدس جماعت کثیر تعداد میں پھیل چکی تھی اس لئے جو بھی مسائل درپیش ہوتے تو مقامی سطح پر جو بھی صحابہ کرام وہاں ہوتے وہ ان مسائل کا حکم اور فیصلہ کتاب اللہ اور احادیث رسول کی روشنی میں جاری فرما دیتے۔ اگر کوئی مسئلہ ایسا ہوتا کہ جس کا حکم واضح طور پر وہ کتاب اللہ اور حدیث رسول اللہ میں نہیں پاتے تو اس کا جواب اپنے اجتہاد اور اپنی رائے کے

ذریعہ پیش فرما دیتے کیونکہ کتاب اللہ اور حدیث رسول اللہ میں عدم وجدان کی صورت میں انہیں اسی کا حکم تھا جیسا کہ حدیث معاذ بن جبل میں اس کی تصریح ہے ۔سارے مسلمان ان فیصلوں پر عمل بھی کرتے اور انہیں محفوظ بھی کر لیتے خواہ حفظاً خواہ کتابتاً کیونکہ وہ تمام صحابہ کو عادل،ثقہ اور اپنے لیے مشعل راہ ،اپنا ھادی و رہنما،دین کی حجتیں اور ہدایت و رہنمائی کے ستارے جانتے ۔قرآن و حدیث اور اجماع امت کے مقتضیات کی روشنی میں ان کی اقتداء کو اپنے لیے لازم اور باعث اہتداء جانتے۔نیز ان کے بتائے ہوئے احکام پر نہ صرف یہ کہ وہ خود عمل کرتے بلکہ ان احکام کو امت مسلمہ کے ہر فرد تک پہنچانے میں اور ان کی ترسیل و تبلیغ میں دل وجان سے کوشاں رہتے۔انہیں محفوظ رکھتے ،ان کو ذخیرہ کرتے۔ان کی جمع و تدوین کا اہتمام کرتے۔اگر کسی کو ان کے حوالے سے پہنچے کسی مسئلہ میں تردد ہوتا تو وہ اپنے ذہنی خلجان کو دور کرنے کے لیے دور دراز کا سفر طے کر کے حجاز مقدس ،کوفہ،بصرہ،شام،مصر وغیرہ ان جگہوں پر آتا کہ جہاں متعلقہ صحابہ کرام کی مقدس جماعت اقامت پذیر ہوتی۔وہ دریافت کرتا اور یہ اس کی تصدیق و توضیح کر دیتے۔ اس طرح فقہ اسلامی کی ترتیب و تدوین ہوتی رہی اور مسائل فقہیہ کی جمع و تدوین کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا گیا۔(مقدمۃ التحقیق للاصابہ جلد ا مفہوماً)

اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ مسائل شرعیہ دینیہ کی جمع و تدوین اور اس کا یہ ذخیرہ صحابہ کرام کی اقتدا اور ان کے اقوال ،افعال اور احکام پر عمل کرنے اور انہیں عادل وثقہ ماننے جاننے اور تسلیم کرنے ہی پر مبنی ہے۔

ما قبل میں یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ بے شمار صحابہ کرام حجاز مقدس سے نکل کر مما لک مفتوحہ میں پھیل گئے تھے۔جن میں سے کچھ مما لک محروسہ کے انتظامات میں مصروف رہتے ،کچھ اسلامی سرحدوں کی حفاظت کرتے ،کچھ اسلامی لشکر میں شامل ہو

کر جہاد کے فرائض انجام دیتے اور کچھ حضرات علوم دینیہ کی ترویج واشاعت کے لیے اپنی زندگی کو وقف کر کے علوم دینیہ کے تشنگان کو سیراب کرتے جس کا حکم خود قرآن میں موجود ہے کہ ”فلولا نفرمن كل فرقة منهم طائفة ليتفقهوا في الدين۔ “(سورۂ توبہ آیت ۱۲۲) ترجمہ تو کیوں نہ ہوا کہ ان کے ہر گروہ میں سے ایک جماعت نکلے کہ دین کی سمجھ حاصل کریں۔ (کنزالایمان)

ان میں سے تفقہ واجتہاد کے جلووں سے مزین بزرگوں اکابر صحابہ کرام یہ حضرات ان شہروں کے حاکم وامیر بھی ہوتے اور حاکموں کے مشیر بھی ہوتے۔ معلم بھی ہوتے اور مفتی وقاضی بھی۔ چنانچہ کوفہ میں حضرت عبداللہ ابن مسعود، مصر میں عبداللہ بن عمرو بن عاص، بصرہ میں حضرت ابوموسیٰ اشعری اور حضرت انس بن مالک، شام میں حضرت معاذ بن جبل، حضرت عبادہ بن صامت اور حضرت ابودرداء مستقل طور پر قیام پذیر ہوگئے۔ ان شہروں اور ان کے مضافات کے علاقوں میں زندگی بسر کرنے والے مسلمان اپنے دینی وشرعی مسائل میں ان اکابر صحابہ کی طرف رجوع کرتے اور اپنے مسائل شرعیہ کا حل حاصل کرتے۔ اس کے ساتھ ہی یہ اکابر صحابہ کرام ان علاقوں میں اپنی علمی محفلیں اور درسگاہیں بھی سجاتے جن میں دینی علوم ومعارف کے شائق وشیدا حضرات ان سے استفادہ کرتے، ان کی شاگردی اختیار کرتے اور علوم دینیہ یعنی قرآن وحدیث کی افہام وتفہیم میں درک ومہارت حاصل کرتے۔ مگر بہت سے صحابہ کرام حجاز مقدس ہی میں تشریف فرما رہے جیسے مکۃ المکرّمہ میں حضرت عبد اللہ ابن عباس، مدینہ طیبہ میں حضرت زید ابن ثابت اور حضرت عبداللہ ابن عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) مکۃ المکرّمہ اور مدینہ طیبہ کے رہنے والے حضرات خصوصاً اور دیگر ممالک اور علاقوں کے ضرورت مند اور علوم دینیہ کی تحصیل کے شائق حضرات حجاز مقدس میں زندگی بسر کرنے والے ان اکابر صحابہ کرام کی طرف رجوع کرتے اور ان

سے استفادہ کرتے۔ (الاصابۃ جلد اول مقدمہ مفہوماً واختصاراً)

جیسے جیسے مسلمانوں کی ضرورتوں کا دائرہ وسیع ہوتا گیا ویسے ویسے ان صحابہ کرام کے افادہ واستفادہ کی ان علمی محفلوں اور درسگاہوں کی اہمیت وافادیت بھی بڑھتی چلی گئی۔ دور دراز سے بے شمار مسلمان ان موارد ومناہل اور علوم اسلامیہ کے ان سرچشموں پر آکر اپنی علمی وروحانی پیاس بجھاتے، شب وروز ان اکابر صحابہ کرام کی خدمت میں رہ کر علوم دینیہ کے موتی چنتے۔ ہر وقت قال اللہ و قال الرسول کے جانفزا نغمات شیریں سے علم وعمل کے یہ شائق اپنے وجود کو مسرور ومسحور کرتے۔ قرآن وحدیث کے نصوص کی تفسیر، تبیین اور توضیح کراتے۔ ان کی روشنی میں مجملات کے تفصیل حاصل کرتے اور مسائل جدیدہ کا حکم دریافت کرتے۔ اس طرح ابتدائے اسلام میں علوم دینیہ وفقہیہ کے دو بڑے مراکز وجود میں آئے جنہیں تاریخ اسلام میں ''مدرسۃ المدینہ/مدرسۃ الحجاز'' اور ''مدرسۃ الکوفہ/مدرسۃ العراق'' کے نام سے جانا گیا۔

مدرسۃ المدینہ: چونکہ حجاز مقدس نزول وحی کا مہبط وعلاقہ اور نزول وحی کی سرزمین ہے۔ اس کے ساتھ ہی مکۃ المکرّمہ پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی جائے پیدائش اور مدینۂ منورہ آپ کی جائے ہجرت ہونے کے ساتھ آخری آرامگاہ بھی ہے۔ نیز حجاز مقدس اکابر صحابہ کرام کا وطن اصلی بھی ہے جہاں آقا نے اپنے صحابہ کرام کے ساتھ زندگی بسر فرمائی۔ اسی مقدس خطے سے اسلام کا سورج نمودار ہوا اور یہیں سے اسلام کا پیغام پوری دنیا میں نشر کیا گیا۔ اس کی اسی اہمیت اور عظمت کے پیش نظر پوری دنیا کے مسلمان ان دونوں شہروں سے جس قدر محبت وعقیدت رکھتے ہیں اتنی کسی اور شہر سے نہیں رکھتے ان دونوں شہروں سے محبت اور عقیدت رکھنے کو وہ ایمان

ہی کا حصہ لازمہ سمجھتے ہیں۔اس وجہ سے مکۃ المکرّمہ اور مدینہ طیبہ اسلام کے اولین اور اصلی مراکز،تبلیغ اسلام کا منبع اور علوم اسلامیہ کا سرچشمہ بنے۔اکابر صحابہ کی موجودگی میں مدرسۃ المدینہ کے بانی کی حیثیت سے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہ متعارف ہوئے۔ان کے بعد مدرسۃ المدینہ یا مدرسۃ الحجاز کے سربراہ حضرت سعید بن مسیّب بنے جواس وقت اہل حرمین کے درمیان ایک ممتاز حیثیت کے مالک تھے۔اس مرکز کی اہم شخصیات میں سات حضرات کوشمار کیا گیا۔جنہیں تاریخ اسلام ''فقہائے سبعہ بالمدینہ'' کے نام سے جانتی ہے۔ان سب کا سلسلۂ تلمذ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملتا ہے۔ان ساتوں حضرات کے اسماء یہ ہیں۔

(۱) حضرت سعید بن مسیّب (۲) حضرت عروہ بن زبیر (۳) حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیق (۴) حضرت ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام (۵) حضرت عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود (۶) حضرت سلیمان بن یسار (۷) حضرت خارجہ بن زید بن ثابت۔

مدرسۃ الکوفہ/ مدرسۃ العراق: پہلی صدی ہجری کے نصف میں عراق کے اندر علوم دینیہ فقہیہ کا ایک اوراہم مرکز اورایک اوراہم سرچشمہ قائم ہوا جس کی بنیاد کوفہ میں پڑی۔اس مرکز کے بانی کی حیثیت سے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ متعارف ہوئے۔ان کی علمی محفل میں بے شمار علاقائی مسلمانوں کےعلاوہ دوردراز کےخطوں اورمما لک محروسہ میں زندگی بسر کرنے والے اہل ایمان اپنے مسائل کا حل دریافت کرتے۔بےشمار طالبان علوم دینیہ رات ودن

ان کی خدمت میں رہ کر استفادہ کرتے، ان کے خوان علم وفضل سے علوم ومعرفت اور حکمت وروحانیت کے درخشاں وتاباں جواہر چنتے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود کے شاگردوں میں سب سے زیادہ شہرت حاصل کرنے والے حضرات کی تعداد چھ ہے۔جنہیں ''فقہائے ستہ بالکوفہ'' کی حیثیت سے جانا جاتا ہے جو مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) حضرت علقمہ بن قیس نخعی (۲) حضرت اسود بن یزید نخعی (۳) حضرت مسعود بن یزدہ ہمدانی (۴) حضرت عبیدہ بن عمر وسلمانی (۵) حضرت شریح بن حارث قاضی (۶) حضرت حارث اعور۔

(الاصبابة جلد۱، مقدمة التحقيق مفهوماً و اختصاراً)

فقہ حنفی کا سرچشمہ یہی مدرسۃ الکوفہ ہے۔ مسائل فقہ حنفی کے زیادہ تر مسائل کی مستدل احادیث کریمہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ کی ہی مرویات میں سے ہیں۔ اس کے برخلاف فقہ شافعی، فقہ مالکی اور فقہ حنبلی کے زیادہ تر مسائل کا منبع مدرسۃ المدینہ ہے۔ نیز امام شافعی اکثر مسائل میں حضرت عبداللہ ابن عباس کے تابع ہیں جس طرح حضرت امام اعظم اکثر مسائل میں حضرت ابن مسعود کے تابع۔

یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ صحابہ کرام کی مقدس جماعت میں دو طرح کے حضرات تھے۔ (۱) مجتہد صحابہ کرام (۲) غیر مجتہد صحابہ کرام۔ لیکن یہ تقسیم تو روز بروز درپیش آنے والے ان مسائل جدیدہ کے اعتبار سے ہے کہ جن کا واضح حکم قرآن و حدیث میں نہیں ہوتا تو وہ صحابہ کرام جنہوں نے بارگاہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے براہ راست علوم اسلامیہ کی تحصیل کی، رات ودن سفر وحضر میں آقا کی خدمت میں رہ کر تفقہ اور علم تشریعی حاصل فرمایا، کاروان حیات کے ہنگاموں سے دور رہ کر ''اب تو غنی کے در پہ بستر جما دیئے ہیں'' کا مظہر تاباں بن کر آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی

زبان فیض ترجمان سے جاری ہونے والے علوم وحکمت کے موتیوں سے اپنے دامنوں کو پُر کرنے میں لگے رہتے۔آقا کے ہرقول وفعل اورتقریر کو محفوظ کرتے،آقا نے کسے کیا حکم دیا،کس کے فعل کو برقرار رکھا،کس کے قول وفعل پرنکیر فرمائی،کس موقع اورکن حالات میں کن لوگوں کو کیا حکم دیا؟ کیسے اٹھتے،کس طرح بیٹھتے،کس طرح چلتے ،کس انداز میں سوتے،کیا پسند فرماتے اور کیا ناپسند فرماتے،کیسے وضوفرماتے،کیسے نماز ادا فرماتے،کیا کھاتے؟اور کیا پیتے،کیا پہنتے اور کیا اوڑھتے،کس طرح خرید و فروخت کرتے،عبادات،معاملات،اور حدود وقصاص کے باب میں کیا کہا،کیا کیا اور کیا برقرار رکھا۔غرض کہ آقا کی ہرادا کو یہ اپنے قلب وذہن کی تختی پر محفوظ بھی رکھتے اوران کی تبلیغ وترسیل بھی کرتے۔انہیں سب باتوں کو پیش نظر رکھ کر صحابہ کرام کی یہ مقدس جماعت روز بروز درپیش آنے والے نت نئے مسائل اجتہادیہ میں اپنے اجتہاد کے ذریعہ فیصلہ صادر فرماتی اوراسی کے مطابق حکم شرع بیان فرمادیتی۔اب رہ گئے وہ صحابہ کرام جو درجۂ اجتہاد پر فائز نہ تھے یہ حضرات ان ہی مجتہد صحابہ کرام کی اتباع کرتے۔ان مسائل اجتہادیہ میں مذکورہ خصوصیات کے حامل صحابہ کرام کے ذریعہ جاری کردہ احکام پرخود بھی عمل کرتے اور دوسروں کو بھی ان پر عمل کرنے کی تلقین کرتے۔ان احکام کو دوسروں تک پہنچانے کی سعی وکوشش کرتے اورضرورت کے وقت مجتہد صحابہ کرام کے ذریعہ جاری کردہ احکام سے استشہاد بھی کرتے۔

ان ساری تفصیلات کا خلاصہ یہ ہے کہ تمام مسائل منصوصہ وواضحہ میں صحابہ کرام کے اقوال وافعال قرآن وحدیث کے عین مطابق ہوتے اورمسائل اجتہادیہ میں غیر مجتہد صحابہ کے اقوال وافعال مجتہد صحابہ کے اقوال،افعال اور احکام کے مطابق ہوتے۔اسی لئے دور صحابہ کے بعد والے لوگوں کو قرآن وحدیث کی تفہیم،قرآن وحدیث سے مسائل شرعیہ کے استخراج اوران مصادر سے احکام شرعیہ

کے استنباط واستدلال میں صحابہ کرام کے اقوال وافعال کی ضرورت پیش آئی۔خواہ وہ اقوال وافعال مجتہد صحابہ کرام کے ہوں یا غیر مجتہد صحابہ کرام کے۔ نیز غیر مجتہد صحابہ کرام کے یہ اقوال،افعال اور احکام اگرچہ صورتاً ان کی طرف منسوب ہیں مگر درحقیقت ان کا مورد وسر چشمہ آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اقوال وافعال اوراحکام، مجتہد صحابہ کرام کے اقوال،افعال اوراحکام ہی ہیں۔یہی وجہ ہے کہ ائمہ مجتہدین نے فقہ اسلامی کی ترتیب وتدوین میں اپنے اجتہاد کے ذریعہ مسائل اجتہادیہ میں جن مسائل کا بھی استنباط کیا انہیں قرآن و حدیث اور آثار صحابہ کے مطابق مانا گیا۔استنباط مسائل میں ان مجتہدین کرام نے قرآن وحدیث کی تفسیر،تشریح،توضیح اوران کی مراد کی تعیین میں صحابہ کرام کی مقدس جماعت میں سے جس کسی صحابی رسول کے قول وفعل پر اعتماد واستناد کیا اوراس سلسلہ میں جس صحابی رسول کا بھی دامن تھام کران کی اقتداوپیروی کی تو وہ منزل مقصود تک پہونچ گیا۔اسی مفہوم کا پتہ آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ایک حدیث سے بھی ملتا ہے کہ’’ عن عمر بن الخطاب قال سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول سألت ربى عن اختلاف اصحابى من بعدى فأوحى الى يا محمد ان اصحابك عندى بمنزلة النجوم فى السماء بعضها اقوى من بعض ولكل نور فمن اخذ بشئ مماهم عليه من اختلافهم فهو عندى علىٰ هدى‘‘۔

ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کوفرماتے ہوئے سنا کہ میں نے اپنے رب سے اپنے صحابہ کے اختلاف کے متعلق سوال کیا جو میرے بعد ہوگا تو مجھے وحی فرمائی گئی کہ اے محمد تمہارے صحابہ میرے نزدیک آسمان کے ستاروں کی طرح ہیں کہ ان کے بعض بعض سے قوی ہیں اورسب میں نور ہے تو جس نے ان کے اختلاف میں سے کچھ حصہ لیا کہ جس پر وہ

ہیں تو وہ میرے نزدیک ہدایت پر ہے۔واضح رہے کہ یہاں اختلاف سے مراد اجتہادی، علمی، عملی یعنی فقہی وشرعی مسائل میں اختلاف ہے۔ائمہ مجتہدین میں سے جس امام نے جس کسی صحابی کے قول اور فتوے پر عمل کرتے ہوئے استنباط مسائل میں اس دامن تھاما وہ کامیاب ہوگئے۔انہیں حق کا علمبردار کہا گیا اور ان کے بیان کردہ مسائل میں ان کی تقلید و پیروی کو رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام ہی کی اتباع و پیروی سے تعبیر کیا گیا۔لہٰذا ائمہ مجتہدین جیسے حضرت امام اعظم اور امام شافعی وغیرہم صحابہ ہی کے مقلد ہیں۔

(مرأۃ المناجیح جلد۶ رصفحہ ۳۴۵، باب مناقب الصحابہ مفہوماً)

اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن وحدیث کے ظاہر نصوص اور اجماع کی رو سے تمام صحابہ مطلقاً عادل وثقہ ہیں جیسا کہ ملا علی قاری نے فرمایا کہ ''والصحابة کلهم عدول مطلقاً لظواهر الکتاب والسنة واجماع من یعتد به ''ترجمہ: قرآن وحدیث کے ظاہر نصوص اور قابل قدر شخصیات کے اجماع کی وجہ سے تمام صحابہ کرام مطلقا عادل وثقہ ہیں۔(مرقاۃ باب مناقب الصحابة)

اس سے واضح ہوا کہ ان مجتہدین کے بیان کردہ مسائل پر ان کے مقلدین نے جو عمل کیا انہوں نے حق ہی پر عمل کیا اور وہ قرآن وحدیث ہی پر عمل کرنے والے کہلائے۔

حدیث اصحابی کالنجوم :- علوم اسلامیہ اور مسائل دینیہ وشرعیہ میں صحابہ کرام کی اسی اہمیت ،افادیت ،حیثیت اور اُن کی اسی امانت داری کے پیش نظر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کی اقتدا و پیروی کرنے ،ان کو بھلائی کے ساتھ یاد کرنے ،ان کی شخصیات دینیہ کو ھادی و رہنمائی ماننے ،ان سب کو عادل وثقہ تسلیم کرنے ،ان کی ذوات مقدسہ کو نشانہ تنقید بنا کر اُن کی حیثیت دینیہ کو مجروح نہ کرنے ،اُن کو سب وشتم نہ کرنے ،انہیں برا نہ کہنے اور انہیں دین کی حجتیں ماننے کا حکم

ایسی بہت سی حدیثوں کے ذریعہ آقا کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جاری فرمایا جو قرآن پاک کے حکم کے مطابق ہے۔ان میں سے بہت سی حدیثیں وہ ہیں کہ جو محدثین کے معیار و منہج پر درجۂ صحت تک پہنچی ہوئی ہیں۔مگر کچھ وہ ہیں کہ جو ان محدثین کی کسوٹی کے مطابق اصطلاحاً درجۂ صحت تک تو نہیں پہنچتی کہ اُن کی سندوں میں ضعف اوران کے راوی متکلم فیہ ہیں۔مگرانہیں ہر دور کے علمائے ملت اسلامیہ کا قبول عام حاصل رہا ہے،ان کے درمیان وہ حدیثیں مشہور بھی رہی ہیں اوراُن کی نقل وکتابت بھی ہوتی رہی ہے۔اہل علم نے اُن پر عمل بھی کیا ہے اوراُن سے استناد بھی ، بلکہ انہوں نے ان حدیثوں کو اپنی کتابوں میں نقل کرنے کے بعد مسائل کا استخراج بھی فرمایا ہے۔

صحابہ کرام کی اقتدا واتباع کا حکم دینے والی،انہیں امت کا ہادی و رہنما اور محافظ و پاسبان ماننے کی دعوت دینے والی اور بہت سی صحیح حدیثوں کے مذکورہ مفہوم سے یکسانیت ومتابعت رکھنے والی ایک حدیث پاک یہ بھی ہے جس میں آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا کہ'' اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم '' یعنی میرے تمام صحابہ ستاروں کے مثل ہیں تم ان میں سے جس کسی کی بھی پیروی کروگے ہدایت پاجاؤ گے۔

حدیث اصحابی کالنجوم کی تخریج: یہ حدیث پاک الفاظ کے اختلاف اورمعانی کی یکسانیت کے ساتھ (۱) حضرت عمر (۲) حضرت عبداللہ بن عمر (۳) حضرت جابر بن عبداللہ (۴) حضرت ابو ہریرہ (۵) حضرت انس بن مالک (۶) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم جیسے چھ مقدس صحابہ کرام سے مروی ہے۔جسے مندرجہ ذیل کتابوں میں نقل کیا گیا ہے:

ابن عبدالبر کی کتاب '' جامع بیان العلم '' خطیب کی '' الکفایہ فی

علم الروايه"، بیہقی کی "المدخل"، دیلمی کی" فردوس" دیلمی ہی کی ''مسند'' ،ابن عساکر کی ''تاریخ دمشق''ابن عدی کی ''کامل''، آجری کی ''الشریعہ''عبد بن حمید کی ''مسند''ابن بطہ کی ''الابانہ''علامہ ابن حجر کی ''موافقۃ''اور''الامالی'' قاضی عیاض کی ''الشفاء''۔

ان کے علاوہ متقدمین ومتاخرین کی اور بھی بہت سی کتابوں میں یہ حدیث پاک نقل کی گئی ہے۔

حدیث اصحابی کالنجوم کی سندیں: جیسا کہ مذکور ہوا کہ یہ حدیث پاک مندرجہ بالا کتابوں میں چھ صحابہ کرام کے حوالہ سے منقول ہے۔ جسے مذکورہ بالا ائمہ کے علاوہ اور بھی بہت سے اہل علم نے اپنی مختلف سندوں سے اپنی کتابوں میں درج کیا ہے۔اب ہم ہر ایک صحابی کی مروی اس حدیث پاک کی سندوں پر اجمالی گفتگوں کریں گے۔

(۱)حدیث عبد الله بن عمر کی سند: حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی اس حدیث پاک کوعبد بن حمید نے اپنی مسند میں، انہیں کی سند سے علامہ ابن حجر نے "الامالی المطلقه" اور" موافقة الخبر الخبر " میں احمد ابن یونس کے حوالہ سے اور ابن بطہ نے''الابانة لکبریٰ "میں موسیٰ بن اسحاق انواری کے حوالہ سے یہ حدیث پاک نقل کی ہے۔ پھر آجری نے''شریعہ''میں،ابن عدی نے'' کامل''میں،ابوالفضل زہری نے اپنی کتاب ''حدیثہ''میں،ابن بطہ نے''الابانة الکبریٰ'' میں عمرو بن عثمان کلابی سے۔ پھر ابن یونس اور کلابی نے ابوشہاب الحناط سے اور ابن عدی نے کامل میں غسان بن عبید سے پھر ابوشہاب اور غسان بن عبید نے حمزہ بن ابی حمزہ الجزری النصیبی سے، انھوں نے نافع سے اور انہوں نے عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مرفوعاً یہ حدیث روایت کی۔ اس طرح عبد اللہ بن عمر

رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی روایت کی مندرجہ ذیل سندیں ہوئیں۔

(۱)عبد بن حمید اور پھران سے علامہ ابن حجر نے احمد بن یونس سے انہوں نے ابو شہاب سے انہوں نے حمزہ ابن ابی حمزہ جزری نصیبی سے انہوں نافع سے انہوں نے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے۔

(۲) آجری وابن عدی وابوالفضل الزہری وابن بطہ نے عمرو بن عثمان کلابی سے انہوں نے ابوشہاب سے انہوں نے حمزہ سے انہوں نے نافع سے انہوں نے ابن عمر سے۔

(۳)ابن عدی نے کامل میں غسان بن عبید سے انہوں نے حمزہ سے انہوں نے نافع سے انہوں نے عبداللہ بن عمر سے۔

نوٹ:- ان سندوں میں سے عمر بن عثمان کلابی عن ابی شہاب والی روایت عن احمد یونس والی روایت سے عالی ہے۔

مذکورہ بالا سندوں سے مروی اس حدیث کا دارومدار حمزہ بن ابی حمزہ جزری پر ہے جنہیں متروک الحدیث ،متہم بالوضع کہا گیا ہے۔حضرت امام احمد بن حنبل نے انہیں ''مطروح الحدیث'' ابن معین نے '' لیس یساوی فلساً ''اورامام بخاری نے ''منکرالحدیث'' قرار دیا ہے۔نافع سے اس حدیث کی روایت میں یہ تنہا ہیں جسے ان کے علاوہ کسی نے بھی نافع سے روایت نہیں کیا۔

(۲)**حدیث جابر بن عبدالله کی سندیں** :- حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یہ حدیث دوسندوں سے مروی ہے۔

(۱)دار قطنی نے فضائل الصحابہ اور المؤتلف والمختلف میں اورانہیں کی سند سے ابن حزم نے ''احکام'' میں ،ابن عبدالبر نے ''جامع بیان العلم وفضلہ'' میں ،ابن مندہ نے ''فوائد'' میں ،ابن حجر نے ''امالی'' اور ''موافقہ'' میں اور ابو طاہر سلفی نے

"المشیخة البغدادیة" میں سلام بن سلیمان سے، انہوں نے حارث بن غصین سے انہوں نے اعمش سے انہوں نے ابوسفیان سے انہوں نے جابر بن عبداللہ سے یہ حدیث مرفوعاً روایت کی۔

اس سند کا دارومدار حارث بن غصین پر ہے۔

(۲) دارقطنی نے "غرائب مالک" میں جمیل بن یزید سے انہوں نے مالک بن انس سے انہوں نے جعفر بن محمد سے انہوں نے اپنے والد سے انہوں نے جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعا یہ حدیث روایت کی۔

(۱) اس حدیث کی پہلی سند کے راوی سلام بن سلیمان کی کچھ ائمہ نے تضعیف فرمائی ہے۔ اوران کی کچھ احادیث میں منکر حدیثیں بتائی گئی ہیں۔ چنانچہ ابوحاکم نے انہیں "لیس بالقوی"، عقیلی نے "فی حدیثه عن الثقات مناکیر"، ابن عدی نے "هو عندی منکر الحدیث" بتایا ہے۔ ان کے شیخ حارث بن غصین کا ذکر امام بخاری نے تاریخ کبیر میں کیا مگر ان کے سلسلہ میں نہ کوئی جرح ذکر کی اور نہ ہی تعدیل، ابن حبان نے انہیں ثقات میں شمار کیا ہے۔ مگر ابن عبدالبر اور علائی نے ان پر مطلقاً "مجہول" ہونے کا حکم لگایا ہے۔ البتہ زرکشی نے "مجہول الحال" کا مقید حکم لگایا۔ علائی نے کہا کہ میں نے ان کے ذکر میں نہ توثیق پائی نہ جرح۔ زرکشی نے کہا کہ میں ان کے ذکر میں سے کچھ نہیں جانتا۔ البتہ ابن حجر نے فرمایا کہ "ابن حبان نے انہیں ثقات میں ذکر کیا ہے"۔ ابن عبدالبر نے سلام بن سلیمان کی مذکورہ سند سے مروی اس حدیث کی تضعیف فرمائی۔ چنانچہ ابن عبدالبر نے کہا "هذا اسناد لا تقوم به حجة لان الحارث بن غصین مجهول"۔

یہ حدیث جتنی بھی سندوں سے مذکور ہوئی ان میں سب سے عالی سند یہی (عن سلام بن سلیمان عن الحارث بن غصین والی) ہے۔ اب رہا

ابن عبد البر، ابن حزم اور علائی کا حارث پر مجہول ہونے کا طعن تو علامہ ابن حجر نے اسے یوں ردّ فرما دیا کہ عام ائمہ جرح وتعدیل سے ان کے سلسلہ میں جرح وطعن مذکور نہیں۔سوائے ان تینوں حضرات کے جب کہ اس کے برعکس ابن حبان نے انہیں ثقات میں شمار کیا ہے اور فرمایا ہے کہ ان سے ''حسین بن علی جعفی'' نے روایت لی ہے لہٰذا اب ان سے روایت لینے والے حضرات کی تعداد دو ہوگئی۔اب ان کی توثیق کی جائے گی اور انہیں مجہول نہ کہا جائے گا۔(مفہوماً واختصاراً)

حارث سے روایت لینے والے سلام بن سلیمان کہ جن پر عقیلی، ابن عدی ،ابوحاکم اور ابن حزم نے کلام کیا ہے تو اس کے رد کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ امام الجرح والتعدیل امام نسائی نے اپنے بعض مشائخ سے ان کی توثیق نقل کی ہے۔اس کے علاوہ صحیح سند سے مروی حضرت عبداللہ ابن عباس کی اُس حدیث سے اس کا شاہد بھی موجود ہے۔جس سے اس حدیث کے مفہوم ومعنیٰ کی تائید ہوتی ہے کہ جسے امام مسلم نے اپنی صحیح میں روایت فرمایا جس کے الفاظ یہ ہیں النجوم امان لاهل السماء واصحابی امان لامتی۔ پہلی حدیث میں صحابہ کو نجوم سے تشبیہ دی گئی اور دوسری میں نجوم وصحابہ کا اطلاق یکساں طور پر کیا گیا جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ صحابہ کو نجوم سے تشبیہ دینا صحیح ہے۔پھر چونکہ سمندر کی گھٹا ٹوپ اندھیریوں اور سمندر کی ہولناک لہروں کے درمیان سمندری سفر میں ستاروں سے ہی رہنمائی حاصل کی جاتی ہے۔اسی طرح صحابہ کرام کے زرّیں دور گزر جانے کے بعد جب دین میں نت نئے فتنے جنم لینے لگیں تو فتنوں ،بدعتوں، بدعقیدگیوں سے بھرپور اور سنتوں کو مٹانے والے تیرہ وتاریک اس دور میں صحابہ کرام کے اقوال،افعال اور احکام سے روشنی ،ہدایت اور رہنمائی حاصل کی جائے گی۔''اهتداء'' یعنی ہدایت حاصل کرنا یہ'' اقتدا'' کی فرع ہے کیونکہ بنا اقتدا کے یہ رہنمائی ممکن ومتصور نہیں۔

(ماخوذ از: مرقاۃ باب مناقب الصحابہ)

لہٰذا مذکورہ تشریح کے مطابق حدیث اصحابی کالنجوم کے مفہوم کی تائید حدیث مسلم سے بجاطور پر ہورہی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ علامہ ابن حجر نے اگر چہ اولاً اس سند سے مروی اس حدیث کو"ضعیف واہ"یعنی یہ حدیث ضعیف واہی ہے کہا اور ساتھ ہی ابن حزم کا قول"موضوع باطل"نقل کیا مگر پھر استدراک کے طور پر امام بیہقی کا مذکورہ قول کہ حدیث سے اس کے معنی کی تائید ہوتی ہے، نقل فرما کر جہاں ابن حزم کے قول"موضوع باطل" کا صریح ردّ فرمایا وہیں اصحابی کالنجوم کی توثیق بھی فرمادی۔اس سے معلوم ہوا کہ مذکورہ سند سے مروی یہ حدیث ضعیف سے ترقی کرکے حسن کا درجہ اختیار کرچکی ہے۔

(۲)اس حدیث کی دوسری سند جو جمیل بن یزید عن مالک بن انس ہے اس کے سلسلہ میں کہا گیا کہ اس کی اسناد میں مجہول راوی ہیں۔جن کی وجہ سے اس حدیث کی تضعیف کی جائے گی۔دارقطنی نے اس کی تخریج کے بعد کہا کہ"یہ مالک سے ثابت نہیں ہے اور اس کو مالک سے روایت کرنے والے راوی مجہول ہیں"۔ابن ملقن نے کہا:"اس جمیل کو میں نہیں پہچانتا"۔حالانکہ مذکورہ طعن سے کوئی شدید حکم نہیں لگتا اور پھر یہ کہ ان کے راویوں سے الزام جہالت کو بھی رفع کردیا گیا ہے۔

(۳)**حدیث ابو ہریرہ کی سندیں** : اس حدیث کو قضاعی نے مسند شہاب میں جعفر بن عبدالواحد ہاشمی سے اور انہوں نے وہاب بن جریر بن حازم سے انہوں نے اپنے والد سے انہوں نے ابوصالح سے اور انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔اس حدیث کا دارو مدار"جعفر بن عبدالواحد ہاشمی" پر ہے اور وہ اسے اس سند سے روایت کرنے میں متفرد ہیں۔ابن حبان نے ان کے

بارے میں کہا کہ ''یہ ان لوگوں میں سے ہیں جو حدیث سرقہ کرتے ہیں اور حدیثوں میں الٹ پھیر کر دیتے ہیں چنانچہ یہ حدیث کے اس متن صحیح کو جو اپنی کسی ایک سند سے مشہور ہے اسے دوسری سند سے اس طرح روایت کرتے ہیں کہ ان کی یہ کاریگری محسوس نہیں ہو پاتی اور یہ اپنی روایت میں ''حدثنا'' نہیں کہتے بلکہ ''قال لنا فلان بن فلان'' کہتے ہیں''۔ ذہبی نے اس حدیث کو ذکر کر کے جعفر بن عبدالواحد کے حالات کے ضمن میں کہا کہ '' یہ حدیث جعفر کی بلاؤں میں سے ہے''۔ (لسان المیز ان حرف الجیم) زیلعی نے جعفر بن عبدالواحد کی وجہ سے اس حدیث کو معلول قرار دیا۔ ابن حجر نے کہا کہ ''اس کی اسناد میں جعفر بن عبدالواحد ہے اور وہ کذاب ہے''۔ حالانکہ آگے اس بات کی وضاحت آرہی ہے کہ علامہ ابن حجر سے جعفر کی توثیق منقول ہے۔

(٤) **حدیث عمر بن خطاب کی سندیں** : دارمی نے اس حدیث کو ''علل'' میں، ابن عدی نے ''کامل'' میں، ابن بطہ نے ''ابانہ'' میں، ابو ذر حربی نے ''کتاب السنہ'' میں، بیہقی نے ''مدخل'' میں، خطیب بغدادی نے ''فقیہ ا'' ور ''کفایہ'' میں، نظام الملک نے ''امالی'' میں، ابن عساکر نے ''تاریخ دمشق'' میں، ابن حجر نے ''موافقہ'' میں اور ابو طاہر سلفی نے ''مشیخہ'' میں، نعیم بن حماد سے انہوں نے عبد الرحیم بن زید عمی سے، انہوں نے اپنے والد سے، انہوں نے سعید بن مسیّب سے، انہوں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مرفوعا اس حدیث کا شاہد روایت کیا۔ اس حدیث کے راوی نعیم بن حماد کو حدیث کا امام کہا جاتا ہے۔ البتہ عبدالرحیم بن زید کے بارے میں ابن معین اور امام بخاری نے ''تركوه'' اور ابوداؤد نے ''لا يكتب حديثه'' اور ابوحاکم نے ''ترك حديثه'' فرمایا ہے۔ اس کے علاوہ اس حدیث میں اضطراب کا بھی قول کیا گیا ہے۔

اس اضطراب کی وجہ ائمہ نے یہ ذکر کی ہے کہ عبدالرحیم کے والد زید عمی کبھی تو یہ حدیث ''سعید بن مسیّب عن عمر'' روایت کرتے ہیں اور کبھی ''عن سعید عن ابن عمر'' اور کبھی بغیر سعید بن مسیّب کے ''عن ابن عمر'' روایت کرتے ہیں اسی وجہ سے ابوبکر بن بزار نے کہا کہ ''یہ کلام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے درجۂ صحت کو نہیں پہنچتا''۔ آگے آئے گا کہ جب اس حدیث کا دارو مدار صرف عبدالرحیم پر نہیں اور پھر اس کا شاہد اور متابع بھی ہے تو اس سند پر وارد یہ کلام حدیث کی اصل کے ثابت شدہ ہونے پر اثر انداز نہ ہوگا۔

(۵) **حدیث انس کی اسناد**: اس حدیث کو ابن ابی عمر نے اپنی ''مسند'' میں اور ابن حجر نے ''موافقة'' میں سلام طویل سے انہوں نے زید عمی سے انہوں یزید رقاشی سے انہوں نے انس بن مالک سے مرفوعا ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے کہ'' مثل اصحابی فی امتی مثل النجوم یهتدون بها، اذا غابت تحیروا ''یعنی میری امت میں میرے صحابہ کی مثال ستاروں کی طرح ہے کہ جن سے لوگ رہنمائی حاصل کرتے ہیں مگر جب یہ چھپ جاتے ہیں تو لوگ حیران رہ جاتے ہیں۔ اس حدیث کو سلام نے زید عمی کے حوالہ سے روایت کیا ہے۔ ان کے بارے میں ابن حجر نے فرمایا کہ اس کی اسناد میں تین ضعیف راوی ہیں۔ سلام، زید اور یزید۔ ان تینوں میں سب سے شدید ضعف سلام میں ہے۔ ابن حجر نے ان پر'' واہ '' کا حکم لگایا۔ بوصیری نے اس سند کو یزید رقاشی اور یزید عمی کی وجہ سے ضعیف قرار دیا۔

(٦) **حدیث عبد الله ابن عباس کی اسناد**: یہ حدیث دو سندوں سے مروی ہے۔

(۱) ابو عباس اصم نے اپنی کتاب ''حدیثہ'' اور بیہقی نے انہیں کی سند سے ''مدخل'' میں، خطیب نے ''کفایہ'' میں، ابن عساکر نے ''تاریخ دمشق'' میں، نصر بن ابراہیم نے''

تحریم'' میں، سلیمان بن ابی کریمہ سے نیز یحیی بن سلام نے'' تفسیرہ '' میں ابوذر حربی نے'' کتاب السنہ'' میں مندل بن علی کی سند سے، نیز بیہقی نے'' مدخل'' میں ابو ذرعہ کی سند سے، انہوں نے ابراہیم بن موسیٰ سے، انہوں نے یزید بن ھارون سے روایت کیا۔ ابن ابی کریمہ، مندل اور یزید بن ھارون تینوں نے متفقہ طور پر'' جویبر '' سے روایت کیا۔ پھر اس سے اگلے راوی میں یہ تینوں مختلف ہوگئے۔ چنانچہ ابن ابی کریمہ نے'' جویبر'' سے انہوں نے ضحاک سے اور انہوں نے ابن عباس سے۔ اس کے برخلاف مندل نے جویبر سے اور جویبر نے ضحاک سے اور انہوں نے مرسلا رسول پاک سے۔ (یعنی اس سند میں ابن عباس کا ذکر نہیں ہے) اس کے برعکس جویبر نے'' جواب بن عبیداللہ'' سے انہوں نے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے۔ (اس میں بھی ابن عباس کا ذکر نہیں)

(۲) ابن بطہ نے'' ابانہ'' میں موسیٰ بن اسحاق الانواری سے، انہوں نے احمد ابن یونس سے، انہوں نے ابوشہاب سے، انہوں نے اور ابن بطہ نے حمزہ سے، انہوں نے عمرو بن دینار سے، انہوں نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مرفوعاً یہ حدیث روایت کی ہے۔

اس حدیث کی پہلی سند کا دار و مدار'' جویبر'' پر ہے جن کے سلسلہ میں متروك الحديث، متفق علی ضعفه جیسے کلمات وارد ہوئے اس کے علاوہ اس کی بعض سندوں میں ارسال بھی ہے۔ (عبداللہ بن محمد السحیم کے مضمون سے اختصاراً و مفہوماً ماخوذ)

خلاصہ:- حدیث پاک اصحابی کالنجوم کے سلسلہ میں مذکورہ بالا گفتگو سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ائمہ نے اس کی سندوں پر ضعف کا حکم لگایا ہے۔ البتہ بعض سندوں پر خفیف ومعمولی اور بعض پر کچھ سخت۔ چنانچہ امام احمد بن حنبل نے'' لا یصح هذا

الحدیث ''،امام بیہقی نے''ھذا حدیث متنه مشھور و اسانیده ضعیفة لم یثبت فی ھذا الاسناد ''،علائی نے''لم یخرج فی الکتب السنة ولا فی المسانید الکبار وقد روی من طرق فی کلھا مقال ''ابن کثیر نے'' لا یصح شی منھا ''اورابن ملقن نے''ھذا الحدیث غریب لم یروه احد من اصحاب الکتب المعتمد وله طرق ''جیسے تبصرے کرکے اس کی تضعیف فرمائی ہے۔جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان ائمہ کرام کے نزدیک یہ حدیث مذکورہ بالا سندوں کی وجہ سے ضعیف ہے۔

اگرچہ حدیث اصحابی کالنجوم مذکورہ بالا سندوں کے اعتبار سے ضعیف قراردی گئی ہے مگر ان تمام سندوں کے ضعیف ہونے کے باوجود ائمہ نے شاہد کے طور پر اس کی مؤید کچھ ایسی حدیثیں نقل فرمائی ہیں کہ جن سے اس حدیث کے معنی کی تائید بھی ہوتی ہے،متابعت بھی ہوتی ہے،اور ان احادیث صحیحہ سے اصحابی کالنجوم کے معنی و مفہوم کو تقویت بھی حاصل ہوتی ہے۔مزید یہ کہ سندوں کے ضعف کے باوجود سلفا و خلفاً ائمۂ کرام و اہل علم نے اس حدیث کو نقل بھی کیا ہے۔اس سے مسائل کی تخریج بھی کی ہے۔اسے معمول بہا بھی قرار دیا ہے۔اسے قبول بھی کیا ہے۔اس سے استناد و احتجاج بھی کیا ہے۔اس کے ہم معنیٰ اور اس کے مفہوم سے یکسانیت رکھنے والی صحیح حدیثیں بھی اس کی تائید میں نقل کیں ہیں۔چنانچہ حضرت قاضی عیاض علیہ الرحمہ نے اس حدیث کی متابعت میں شاہد کے طور پر وہ حدیث نقل فرمائی ہے کہ جس کی سند حسن مقبول ہے۔اور جس سے اصحابی کالنجوم کو تقویت حاصل ہوتی ہے۔واضح رہے کہ حضرت قاضی عیاض خود ایک ناقد اور جرح و تعدیل کے اماموں میں سے ہیں جو راویان حدیث پر گہری نظر رکھتے ہیں لہٰذا ان کا کسی حدیث کو نقل کرنا ہی اس بات کی علامت ہے کہ ان کے پاس ضرور کوئی ایسی سند رہی ہے کہ جو ان کے نزدیک

ثابت و بے غبار ہے۔اسی وجہ سے قاضی عیاض علیہ الرحمہ نے صیغۂ جزم کے ساتھ اس حسن مقبول حدیث سے متصلا ''اصحابی کالنجوم '' کو اپنی کتاب ''شفاء ''میں نقل فرمایا ہے کہ حدثنا القاضی ابو علی ،حدثنا ابو الحسین و ابو الفضل قالا حدثنا ابو یعلیٰ ،حدثنا ابو علی السنجی، حدثنا محمد بن محبوب ،حدثنا الترمذی ،حدثنا الحسن بن الصباح ،حدثنا سفیان بن عیینه عن زائده عن عبد الملك بن عمیر عن ربعی بن حراش عن حذیفه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم اقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر و عمر ،وقال اصحابی کالنجوم بایهم اقتدیتم اهتدیتم (الشفاء، القسم الثانی فی ما یجب للانام من حقوقه،الباب الثالث فی تعظیم امره،نسیم الریاض جلد ۳ ص ۴۲۳ ،۴۲۴ مطبوعہ مرکز اہلسنت برکات رضا پور بندر گجرات)۔

ترجمہ: ہم سے حدیث بیان کی قاضی ابو علی نے ان سے ابوالحسین اور ابوالفضل نے ان سے ابو یعلیٰ نے ان سے ابو علی نے ان سے محمد بن محبوب نے ان سے ترمذی نے ان سے حسن بن صباح نے ان سے سفیان بن عیینہ نے ۔وہ روایت کرتے ہیں زائدہ سے وہ عبدالملک بن عمیر سے وہ ربعی بن جراش سے اور وہ حضرت حذیفہ ابن یمانی سے کہ وہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد پاک ہے کہ میرے بعد ابوبکر اور عمر کی پیروی کرنا اور دوسری حدیث میں فرمایا کہ میرے سارے صحابہ ستاروں کے طرح ہیں ان میں سے تم جس کسی کی بھی پیروی کروگے ہدایت پا جاؤ گے۔

حضرت حذیفہ بن یمان والی اس حدیث کے تمام رجال ثقہ ہیں ۔ چنانچہ قاضی ابو علی کے بارے میں امام ذہبی نے فرمایا کہ '' ان کی حدیث متن و سند کے لحاظ سے حسن

ہوتی ہے''۔اس کے دوسرے راوی ابوالحسین مبارک بن عبدالجبار کے سلسلہ میں علامہ ابن حجر اور امام ذہبی نے فرمایا کہ ''یہ ثقہ سند ہیں''۔اس کے تیسرے راوی ابوالفضل بن حسن بغدادی کو یحیٰ بن معین اور امام ذہبی نے ''ثقہ حافظ'' فرمایا۔اس کے چوتھے راوی ابویعلی بن احمد بغدادی کو خطیب بغدادی نے حدیث میں ''حسن'' بتایا۔اس کے پانچویں راوی ابوعلی السنجی کو خطیب بغدادی نے ''شیخ کبیر'' اور ''ثقہ'' بتایا۔اس کے چھٹے راوی محمد بن محبوب یہ امام ترمذی کے شاگرد ہیں جنہیں امام حاکم اور امام ذہبی نے ''ثقہ حافظ'' قرار دیا۔اس کے ساتویں راوی حضرت امام ترمذی ہیں جن کے حفظ وثقاہت میں کسی کو شک نہیں۔اس کے آٹھویں راوی حسن بن صباح واسطی ہیں جنہیں امام احمد نے ''ثقہ''، ''سنت کا پیروکار'' اور ابوحاکم وابن حجر نے ''صدوق'' بتایا۔اس کے نوے راوی سفیان بن عیینہ ہیں جو ائمہ حدیث میں ایک مشہور امام اور ثقہ ہیں۔اس کے دسوے راوی زائدہ بن قدامہ ثقفی ہیں جنہیں ابوحاتم، امام نسائی اور امام حجر ''ثقہ'' بتاتے ہیں۔گیارہوے راوی عبدالملک بن عمیر ہیں امام ذہبی، ابوحاکم اور ابن حجر نے جن کی توثیق فرمائی ہے۔اس کے بارہوے راوی ربعی بن جراش ہیں جنہیں ابن سعد، ذہبی اور ابن حجر نے ''ثقہ'' بتایا ہے۔یہ حدیث آقا صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت حذیفہ نے روایت فرمائی جو صحابی رسول ہیں اور تمام صحابہ کرام عادل وثقہ ہیں۔ان میں سے کسی کی عدالت وثقاہت پر شک کرنا ہی نقص ایمان کی علامت ہے۔

(شرح شفاء لملاعلی قاری علی ہامش نسیم الریاض جلد۳ ص ۴۲۳ مطبوعہ گجرات)

قاضی عیاض کی نقل کردہ اس حدیث کے تحت ملاعلی قاری امام حلبی کے اس تبصرہ پر کہ ''قاضی عیاض کو صیغۂ جزم کے ساتھ اسے نقل نہیں کرنا چاہیے تھا'' اس پر فرماتے ہیں کہ ممکن ہے کہ ''قاضی عیاض کے نزدیک کسی صحیح سند سے یہ ثابت ہو یا

اس اصول کے پیش نظر کہ کثرت طرق کی وجہ سے ضعیف حدیث حسن کے درجہ تک پہنچ جاتی ہے۔اس وجہ سے انہوں نے اس کے حسن ہونے پر اعتماد کیا ہو"۔(شرح الشفاء لملاعلی قاری علی حامش نسیم الریاض جلد۳ صفحہ۴۲۳ مطبوعہ پور بندر گجرات)

نسیم الریاض میں علامہ خفاجی نے اس حدیث کے تحت فرمایا کہ فلو قال انه بمعنى حديث الذى قبله وهو حديث صحيح يعمل به ولذا ساقه بعده كالمتابعة له ولذا جزم به كان اقوىٰ واحسن۔یعنی صیغۂ جزم کے ساتھ نقل کرنے کی وجہ یہ بیان کی جائے کہ اصحابی کالنجوم اس حدیث کے ہم معنی ہے جس کو قاضی عیاض نے اس سے پہلے اتصال کے ساتھ نقل فرمایا اور چونکہ یہ حدیث، حدیث صحیح ہے جس پر عمل کیا جاتا ہے اسی وجہ سے حضرت قاضی عیاض اصحابی کالنجوم کو اس حدیث صحیح کے بعد اس کے شاہد اور متابع کے طور پر لیکر آئے۔اسی وجہ سے انہوں نے جزم کے ساتھ اسے نقل فرمایا۔(نسیم الریاض مع الشفاء ومع شرح الشفاء لملاعلی قاری مطبوعہ پور بندر، گجرات جلد۳ صفحہ۴۲۳-۴۲۴)

متقدمین ومتاخرین علمائے ملت اسلامیہ کے درمیان یہ حدیث پاک مشہور و مقبول رہی ہے۔یہی وجہ ہے کہ ائمہ کرام نے اس حدیث پر احکام اور فضائل میں اعتماد بھی کیا اور اس کی تصحیح بھی فرمائی۔

☆ چنانچہ قاضی ابویعلیٰ نے فرمایا کہ"امام احمد بن حنبل اس سے احتجاج فرماتے تھے اور فضائل صحابہ میں اس پر اعتماد کرتے تھے"۔

☆ اسی طرح امام عثمان دارمی نے بھی اس پر اعتماد کیا ہے۔فقہاء اور ائمہ اصول نے اس حدیث پاک سے اپنی کتابوں میں استشہاد بھی کیا ہے۔

☆ امام سرخسی نے مبسوط کی ادب قاضی کے ضمن میں یہ بیان کیا ہے کہ قاضی کے لئے

ضروری ہے کہ اس کے سامنے جب کوئی مقدمہ پیش ہو تو سب سے پہلے وہ کتاب اللہ سے، اگر اس میں نہ پائے تو حدیث پاک سے اور اگر اس میں بھی اس کی نظر اس مقدمہ کا حل تلاش نہ کر پائے تو صحابہ کرام کے اقوال پر نظر کرے۔ لہٰذا صحابہ کرام میں سے کسی کا قول جب مل جائے تو اس کے مطابق فیصلہ کرے اور اسے قیاس پر مقدم کرے کیونکہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ ''اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اهتدیتم''۔

☆ مسبحی نے صحابی کی تقلید کی سلسلہ میں اپنی کتاب ''اللباب'' میں فرمایا کہ ہمارے بعض اصحاب کا یہ قول ہے کہ صحابی کی تقلید واجب ہے خواہ وہ قیاس کے موافق ہو یا مخالف۔ یہ قول ابو سعید برزعی اور ان کے متبعین کا ہے۔ انہوں نے اس مسئلہ میں دلیل بنایا ہے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی ''اقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر و عمر'' اور '' اصحابی کالنجوم'' کو۔

☆ امام نفراوی مالکی نے کہا کہ صاحب جوہرہ کا قول ہے کہ اسلاف میں سے صالحین کی اتباع کریں کیونکہ ہر مکلّف اس بات کا مامور ہے کہ وہ اپنے عقائد، اپنے اقوال، اپنے احوال اور اپنی حیات میں صالحین کی جماعت کا اتباع کرے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے'' علیکم بسنتی الخ '' اور'' اصحابی کالنجوم''

☆ امام ماوردی شافعی نے الحاوی الکبیر میں فرمایا کہ بعض محدثین نے صحابہ کرام ہی کی تقلید کو جائز قرار دیا ہے، تابعین کی نہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول اصحابی کالنجوم الخ کی وجہ سے۔

☆ ابن قدامہ حنبلی نے ایک مسئلہ کے سلسلہ میں ''مغنی'' میں اصحابی کالنجوم سے استناد کیا۔

(مقدمة المحقق من الصحابه كالنجوم صفحه ۱۱تا۱۳)

☆حضرت ملا علی قاری نے شرح فقہ اکبر میں اس حدیث پاک سے استناد کرتے ہوئے فرمایا کہ "ولذلك ذهب جمهور العلماء الى أن الصحابة رضى الله عنهم عدول قبل فتنة عثمان وكذا بعدها۔ولقوله عليه الصلاة والسلام:أصحابى كالنجوم بأيتهم اقتديتم اهتديتم۔" یعنی (اسی مذکورہ بالا حدیث کہ جب میرے صحابہ کا ذکر ہوتو رک جاؤ) کی وجہ سے جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں برپا ہونے والی بغاوت سے پہلے یا اس واقعہ کے بعد،بہرحال ہر دور میں تمام صحابہ عادل ہیں۔کیونکہ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے تمام صحابہ ستاروں کے مثل ہیں کہ ان میں سے تم جس کی اقتدا کروگے ہدایت پاجاؤگے۔

(شرح فقہ اکبر صفحہ ۱۱۶ مطبوعہ دارالایمان)

حدیث ضعیف کی تقویت کے اسباب:- یہ بات مشہور ومعروف ہے کہ حدیث ضعیف فضائل اعمال،مناقب،استحباب،احتیاط کے مقامات اور احکام کراہت میں مقبول ومعتبر ہے۔اس کے علاوہ کئی ایسے اسباب بھی ہیں جن کی وجہ سے حدیث ضعیف میں تقویت پیدا ہوجاتی ہے حتیٰ کہ یہ احکام والی حدیث کی بھی ناسخ بن جاتی ہے۔ان میں سے چند اسباب مندرجہ ذیل ہیں:

(۱)**تلقی بالقبول:** وہ حدیث ضعیف جسے امت کے متقدمین ومتاخرین علماو ائمہ نے قبول کرلیا ہوتو ایسی حدیث "تلقی بالقبول" کہلاتی ہے۔جس کے بعد وہ قابل عمل ہوجاتی ہے۔

علامہ سخاوی ''شرح الفیہ''میں فرماتے ہیں کہ اذا تلقت الامة

الضعیف بالقبول یعمل به الصحیح حتی انه ینزل منزلة المتواتر فی انه ینسخ المقطوع به ولهذا قال الشافعی رحمة الله تعالیٰ فی حدیث "لا وصیة لوارث" انه لا یثبت اهل العلم بالحدیث ولکن العامة تلقته بالقبول و عملوا به حتی جعلوه ناسخا لآیة الوصیة لوارث۔ یعنی علامہ سخاوی نے شرح الفیہ میں فرمایا کہ جب حدیث ضعیف کو امت قبول کر لے تو صحیح یہی ہے کہ اس پر عمل کیا جائے گا یہاں تک کہ وہ یقینی اور قطعی حدیث کو منسوخ کرنے میں متواتر حدیث کے رتبہ میں سمجھی جائے گی اور اسی وجہ سے امام شافعی نے حدیث "لا وصیة لوارث" کے بارے میں یہ فرمایا کہ اس حدیث کو محدثین ثابت نہیں کہتے لیکن ائمہ وعلماء نے اس کو قبول کر لیا اور اس پر عمل کرتے ہیں یہاں تک کہ یہ حدیث وارث کے حق میں وصیت کا حکم دینے والی آیت۔ "کتب علیکم اذا حضر احدکم الموت ان ترک خیرن الوصیة للوالدین۔الآیة" (**مفهوم آیت**:- تم پر فرض کیا گیا کہ جب تم میں سے کسی کا موت کا وقت قریب آئے اور اگر اس نے کچھ مال چھوڑا ہو تو وہ والدین اور قریبی رشتہ داروں کے لیے وصیت کرے)۔کی ناسخ بن گئی۔(فتح المغیث جلد اول صفحہ ۱۲۰ مطبوعہ دار الایمان وشرح اربعین النوویہ لابن مرعیٰ المالکی)

(۲) **تعامل**۔ حدیث کے صحت کا مدار صرف سند ہی پر نہیں ہے بلکہ اہل علم کے قول و عمل اور مجتہدین کے تمسکات سے بھی قوی ہو جاتی ہے۔اگر چہ کسی حدیث پر عمل اس کی صحت سند پر متفرع ہوتا ہے مگر بعض اوقات صحت سند عمل پر متفرع ہو جاتی ہے جیسا کہ اس تصریح بہت سے ائمہ فن محققین نے کی ہے۔یہی وجہ ہے کہ کوئی حدیث سند کے اعتبار سے کتنی بھی مضبوط وقوی کیوں نہ ہو اگر امت کا عمل اُس پر نہیں ہے تو اس کی حجیت قطعی نہیں رہتی نسخ کے احتمال کی وجہ سے۔اسی وجہ سے محدثین کرام حدیث کی

حجیت پر اس کے معمول بہ ہونے کا بھی اعتبار کرتے ہیں چنانچہ وکیع نے اسمٰعیل بن ابراہیم مہاجر سے نقل کیا کہ "کان یستعان علی حفظ الحدیث بالعمل بــــــه" یعنی حفظ حدیث میں اس کے عمل سے بھی مدد لی جاتی تھی۔ (تاریخ ابی زرعہ الدمشقی جلد اول صفحہ ۳۱۱)

امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ "التعقبات علی الموضوعات" میں فرماتے ہیں: اہل علم کے قول اور تعامل کے ساتھ حدیث ضعیف ضعف سے نکل کر صحیح اور قابل عمل ہو جاتی ہے۔ اگر چہ اس کی سند لائق اعتماد نہ ہو۔ بہت سے اہل علم کا یہ قول ہے ۔ (تنزیہ الشریعہ للکنائی جلد دوم صفحہ ۱۲۰)

حافظ ابن صلاح "مقدمۂ ابن صلاح" میں لکھتے ہیں کہ "یہی وجہ ہے کہ اہل علم کا تعامل اس کی فنی کمزوریوں کو ڈھانپ لیتا ہے۔ (بحوالہ شرح الفیہ جلد ا صفحہ ۱۵)

(۳) تعدد اسناد: ضعیف حدیث متعدد سندوں سے مروی ہو تو وہ حسن لغیرہ ہو جاتی ہے۔

(۴) مجتہد کا استدلال: - علامہ شامی فرماتے ہیں کہ مجتہد جب کسی حدیث سے استدلال کرلے تو اس کا استدلال بھی حدیث کے صحیح ہونے کی دلیل ہے۔ جیسا کہ "تحریر" میں امام ابن ہمام نے تحقیق فرمائی ہے۔ (ردالمحتار جلد ۴ صفحہ ا مطبوعہ استانبول)

(۵) اهل علم کا عمل: - علماء وصلحا کے عمل سے بھی حدیث کی صحت پر استدلال کیا جاتا ہے۔ امام حاکم نیشاپوری صلوٰۃ التسبیح کی صحت پر استدلال کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ جس چیز سے اس حدیث کی صحت پر استدلال کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ اتباع تابعین سے لے کر ہمارے اس دور تک تمام ائمہ اس پر ہمیشگی کے ساتھ عمل کرتے رہے اور لوگوں کو اس کی تعلیم بھی دیتے رہے۔ جن میں عبد اللہ ابن

مبارک بھی ہیں۔

(٦) **کشف** :-اہل کشف کا کشف بھی ضعیف حدیث کو صحت کے درجے میں پہنچا دیتا ہے۔جیسا کہ شیخ ابن عربی کا یہ واقعہ کہ انہیں یہ روایت پہنچی کہ جو ستر ہزار مرتبہ کلمۂ طیبہ پڑھ لے تو اس کی اور جس کو ان کا ثواب بخشا گیا اس کی بھی مغفرت کر دی جاتی ہے۔آپ اس حدیث کو ضعیف سمجھتے تھے۔آپ کے پاس اتنے کلمے پڑھے ہوئے تھے۔ایک دعوت میں پہنچے،ایک نوجوان اچانک رونے لگا۔معلوم کرنے پر بتایا کہ میری والدہ قبر کے عذاب میں مبتلا ہیں۔شیخ ابن عربی نے دل ہی دل میں ستر ہزار کلمۂ طیبہ کا ثواب اُس کی ماں کو بخش دیا تو وہ نوجوان ہنسنے لگا اور کہا کہ میری والدہ اب اچھی حالت میں ہیں۔شیخ ابن عربی فرماتے ہیں کہ میں نے اس حدیث کی صحت کو اس جوان کے کشف سے اور اس جوان کے کشف کی صحت کو اس حدیث کی صحت سے جان لیا۔

(مرقاۃ جلد دوم صفحہ ۹۸ رمکتبہ امدادیہ ملتان ومقدمہ نزہۃ القاری از مفتی شریف الحق امجدی مفہوما واختصاراً)

(٧)**اھل علم کا اتفاق** :- جس حدیث کے مفہوم ومدلول پر علماء کا اتفاق ہو جائے تو وہ بھی حدیث مقبول ہو جاتی ہے۔علامہ ابن حجر فرماتے ہیں کہ ''جس حدیث کے مدلول پر علماء متفق ہوں وہ حدیث مقبول ہوتی ہے اور اس کے تقاضہ پر عمل کرنا واجب ہے۔ائمہ اصول نے اس کی تصریح فرمائی ہے''۔

(النکت علی کتاب ابن الصلاح جلد ا صفحہ ۴۹۴،مطبوعہ احیاء التراث)

(٨)**صرف حدیث ضعیف میسر ھو** :- علامہ سخاوی فرماتے ہیں کہ ''جب کسی باب میں حدیث ضعیف کے علاوہ کوئی اور حدیث نہ ہو تو امام اسحاق علیہ الرحمہ نے حدیث ضعیف سے استدلال کیا ہے۔امام ابو داؤد نے اس کی اتباع کی

ہے۔امام ابوحنیفہ سے بھی اسی طرح منقول ہے‘‘۔
(فتح المغیث ،جلد ا صفحہ ۲۳۳،مطبوعہ دارالامام)

یہ اوران کے علاوہ کچھ اوراسباب ہیں جن کی وجہ سے حدیث ضعیف ضعف سے نکل کر حسن بلکہ صحیح تک ترقی کر جاتی ہے۔لہٰذا کسی حدیث کی سند کے سلسلہ میں ائمہ جرح وتعدیل کلام،طعن اور جرح کر کے اس کے ضعف کوسنداً ثابت بھی کر دیں تو اس سے ہرگز یہ لازم نہیں آتا کہ وہ حدیث قابل عمل نہ رہی یا یہ کہ وہ موضوع ہوگئی۔ اس لئے کہ حدیث صحیح اورموضوع کے درمیان بہت سے درجے ہوتے ہیں۔

غیر مقلدین اور احادیث ضعیفہ:- غیر مقلدین اس سلسلہ میں بہت متشدد واقع ہوئے ہیں۔انہوں نے علمائے جرح وتعدیل میں سے کسی کا ایک جملہ خواہ وہ جرح مبہم اور جرح غیر مفسر ہی کیوں نہ ہو اگر انہوں کسی درجہ کی بھی کتاب یا کتبیہ میں پڑھ لیا کہ یہ حدیث ضعیف ہے توان کی باچھیں اس طرح کھل جاتی ہیں جیسے کہ کوئی بہت بڑا میدان مارلیا ہو۔لہٰذا اسی خوشی میں مدہوش ہوکر بغیر کسی تحقیق و تفتیش کے وہ اس کو باطل،موضوع اور جھوٹی قرار دے دیتے ہیں۔خواہ وہ حدیث ضعیف فضائل اعمال یا مناقب ہی سے متعلق کیوں نہ ہو۔یہی وجہ ہے کہ غیر مقلدین نے صحابہ کرام کی فضیلت اور اُن کو اپنا ھادی و رہنما ماننے کی دعوت پر مشتمل اس حدیث پاک اصحابی کالنجوم کا بھی شدومد کے ساتھ ردّ کرنا شروع کر دیا۔ابن حزم اور البانی کے علاوہ کسی نے بھی اس حدیث کوموضوع قرار نہ دیا بلکہ اگر کسی کا کوئی کلام موجود ہے بھی تو اس کا تعلق صرف اس کے ضعف سے ہے۔انہیں دونوں کی اتباع کرتے ہوئے موجودہ زمانے کے غیر مقلدین وہابیوں نے بھی اس حدیث پاک کو موضوع قرار دے ڈالا۔

چونکہ آج ہماری نئی نسل کے علماء زیادہ تر انٹرنیٹ وغیرہ پر اپ لوڈ کتابوں

کے پڑھنے کا رجحان رکھتے ہیں۔ یا خوبصورت انداز کے ساتھ چھپی ہوئی اُن کتابوں کا کہ جو زیادہ تر وہابیہ کے مکتبوں سے ان کے غیر مقلد محققین کی تحقیق بلکہ تحریف کے ساتھ شائع ہو رہی ہیں۔ وہ اپنے محقق نسخوں میں تحقیق کے نام پر ایسی حدیثوں کو کہ جن کی سندوں کے سلسلہ میں اکابر ائمہ کے بہت سہل اور ہلکے الفاظ سے جرح وطعن اور کلام وارد ہوا ہے۔ خواہ اسے دوسرے ائمہ نے رد ہی کیوں نہ کر دیا ہو۔ اُن کا سہارا لے کر انہیں باطل، موضوع اور مکذوب کہہ کر خاصا ردّ کرنے پر اپنی پوری تحقیق کا زور صرف کر دیتے ہیں۔ ان کی اس تحقیق سے دھوکا کھا کر فضائل ومناقب میں وارد ایسی احادیث کریمہ پر وہابیہ کے علاوہ اب ہمارے اپنے کچھ جدید فکر رکھنے والے علماء بھی کلام کرنے لگے ہیں۔ اس لئے فن حدیث سے رغبت ودلچسپی رکھنے والے اپنی نئی نسل کے علماء سے گزارش ہے کہ وہ سیدی سرکار اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے رسائل ''الہاد الکاف فی حکم الضعاف''، منیر العین فی تقبیل الابہامین اور'' حاجز البحرین'' کا مطالعہ ضرور فرمائیں۔

الصحابة نجوم الاهتداء کا سبب تالیف

تحقیق کے نام پر ان وہابی محققین نے جن احادیث کریمہ کو تختۂ مشق بنایا ہے ان میں سے ایک حدیث پاک یہی ''اصحابی کالنجوم'' بھی ہے۔ جسے دیگر ائمہ کے ساتھ حضرت قاضی عیاض علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب ''الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ'' میں نقل فرمایا ہے۔ اس کو پروفیسر طٰہٰ عبدالرؤف کی تحقیق، تخریج اور تعلیق وتحشیہ کے ساتھ سلفی ذہن وفکر رکھنے والے مکتبوں نے از سرِ نو شائع کر کے انٹرنیٹ وغیرہ کے ذریعہ پوری دنیا میں عام کیا ہے۔ اس حدیث کے اوپر مذکورہ پروفیسر نے سلفیوں، وہابیوں اور ابن حزم کی اتباع میں جو حاشیہ لگایا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حدیث اصحابی کالنجوم موضوع ہے۔ پھر اس کے موضوع ہونے پر

دلیل کے طور پر امام ذہبی کی اُس گفتگو کا حوالہ دیا کہ جو میزان میں جعفر بن عبدالواحد ہاشمی کے حالات کے تحت درج ہے۔اس کے ساتھ ہی امام دارقطنی کے حوالے سے ''یضع الحدیث'' (وہ حدیث گڑھتا ہے) نقل کیا۔ابوزرعہ کا یہ قول بھی نقل کیا کہ جو جعفر کے حوالے سے اُن سے وارد ہوا کہ'' روی احادیث لااصل لها۔ وذکرھٰذا الحدیث من بلایاہ ''یعنی جعفر نے بے اصل حدیثیں روایت کی ہیں نیز ابوزرعہ نے جعفر کی مذکورہ روایت کو بھی اس کی ''بلایا'' میں شمار کیا ہے۔

محشی مذکور نے مذکورہ بالا الفاظ جرح سے اس حدیث کے موضوع ہونے کا جو دعویٰ کیا ہے اس کا ردّ و ابطال کرنے ،اس حدیث پر لگے الزام وضع کو دفع کرنے ،اس حدیث کے حجت ہونے ،اس کے معمول بہا ہونے ،تلقی بالقبول کی وجہ سے درجۂ ضعیف سے درجۂ حسن تک ترقی کرنے اوراس کے متن ومفہوم کا علمائے متقدمین ومتأخرین کے درمیان شہرت پذیر ہونے کو عقلی ونقلی دلائل سے ثابت کرنے کے لیے حضرت تاج الشریعہ علیہ الرحمہ نے فصیح عربی زبان میں ''الصحابة نجوم الاهتداء'' کے نام سے ایک مختصر مگر جامع رسالہ تحریر فرمایا۔ یہ رسالہ ۴۷ر صفحات پر مشتمل ہے جو ''دارالمقطم للنشر والتوزیع سے ۲۰۰۹ء میں صیام ابوسھل نجاح عوض کی تحقیق وتالیف کے ساتھ مصر سے شائع ہوا۔صفحہ نمبر ۹ سے ۱۴ تک محقق رسالہ کا ایک عمدہ مقدمہ ہے۔صفحہ ۱۵ سے ۱۸ تک محمد خالد ہندی کے قلم سے تحریر کیا ہوا سرکار تاج الشریعہ کا ایک جامع تعارف ہے۔اصل رسالہ صفحہ نمبر ۱۹ر سے شروع ہوکر صفحہ ۴۷ پر ختم ہوتا ہے۔

حضرت تاج الشریعه کی فنی مهارت:- فن حدیث اوراس کے متعلقہ فنون میں سرکار تاج الشریعہ علیہ الرحمہ کی اگر فنی مہارت دیکھنا ہوتو دلیل کے طور پر یہی مختصر رسالہ ہی کافی ہے۔آپ نے اس رسالے میں ''نقد رجال'' کے تعلق سے

جو فاضلانہ بحث کی ہے اسے دیکھ کر یہ یقین ہو جاتا ہے کہ بلا شبہ آپ وارث علوم اعلیٰ حضرت تھے۔ اگر کسی نے سیدی سرکار اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فن حدیث سے متعلق مباحث و رسائل خاص کر ''الھاد الکاف''، ''تقبیل الابھامین''، ''حاجز البحرین'' اور ''شمائم العنبر'' جیسے رسائل کا مطالعہ کیا ہے تو وہ ''الصحابة نجوم الاھتداء'' پڑھ کر ضرور یہ نتیجہ اخذ کرے گا کہ اس رسالے کی ہر بحث، اس کی ہر بحث کی ہر سطر اور اس کے ہر ہر لفظ میں سیدی سرکار اعلیٰ حضرت، سرکار حجۃ الاسلام، سرکار مفتی اعظم ہند اور سرکار مفسر اعظم ہند کے علوم و فنون کے جلوے نظر آتے ہیں۔

سرکار تاج الشریعہ علیہ الرحمہ نے سلفی ذہن رکھنے والے معاصر محققین کا جس انداز میں روایتاً اور درایتاً تعاقب کیا ہے وہ آپ ہی کا حصہ ہے۔ اس حدیث پر الزام وضع کو آپ نے ۷؍وجوہات سے دفع فرمایا ہے۔

وجہ اول: چونکہ محشی مذکور نے اس حدیث کے موضوع ہونے پر امام دار قطنی کے قول ''یضع الحدیث'' کو دلیل کے طور پر پیش کیا تھا۔ اس کی تردید کے لیے آپ نے سب سے پہلے ملا علی قاری کی شرح شفاء سے وہ عبارت من وعن نقل فرمائی ہے کہ جسے ہم ماقبل میں بیان کر آئے ہیں۔ اس عبارت کو نقل کر کے آپ نے اس سے دو نتیجے اخذ فرمائے۔

(۱) بقول ملا علی قاری، دار قطنی نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ لیکن اس کو روایت کر کے اس پر موضوع ہونے کا حکم نہ لگایا۔ اگر دار قطنی نے اس حدیث کو موضوع کہا ہوتا تو حضرت ملا علی قاری اس کو ضرور نقل فرماتے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ دار قطنی کے نزدیک یہ حدیث موضوع نہیں ہے اور ''یضع الحدیث'' کا محمل اور اس کی مراد کچھ اور ہے۔

(۲) ملا علی قاری نے اسی ضمن میں علامہ ابن عبد البر کا قول نقل فرمایا ہے کہ ''یہ ایسی اسناد ہے کہ جس سے حجت قائم نہیں کی جا سکتی''۔ اسی طرح انہوں نے بزار کا یہ قول بھی نقل کیا کہ ''یہ حدیث منکر غیر صحیح ہے''۔ ان دونوں حضرات کے مذکورہ دونوں اقوال سے ہرگز ہرگز اس حدیث کا موضوع ہونا ثابت نہیں ہوتا بلکہ اس سے محض اتنا ثابت ہوتا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے، موضوع نہیں۔ اسی ضمن میں ملا علی قاری نے ابن عدی کے حوالے سے یہ نقل فرمایا کہ ''اس کی اسناد ضعیف ہے''۔ ابن عدی کے اس قول سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ یہ حدیث مرتبۂ ضعیف سے مرتبۂ وضع تک نہیں پہنچی ہے۔ اس حدیث کے ضعف کو ختم کرنے میں سب سے زیادہ مؤید تو امام بیہقی کا وہ جملہ ہے کہ جس میں آپ نے فرمایا کہ ''اس کا متن مشہور ہے اور اس کی سندیں ضعیف ہیں''۔ کیونکہ امام بیہقی کا یہ جملہ اس بات کا پتہ دے رہا ہے کہ یہ حدیث ضعیف، ضعف سے ترقی کر کے تلقی بالقبول کی وجہ سے درجۂ حسن کو پہنچ چکی ہے۔ اسی وجہ سے ملا علی قاری نے اپنی گفتگو کو اس جملہ پر ختم فرمایا تھا کہ ''حدیث کثرت طرق کی وجہ سے ضعف سے ترقی کر کے درجۂ حسن کو پہنچ جاتی ہے''۔

پھر اسی حدیث کے ضمن میں شفاء کی شرح نسیم الریاض میں علامہ خفاجی نے بھی دار قطنی کے حوالے سے یہ بتایا کہ انہوں نے بھی اس حدیث کی تخریج فرمائی ہے۔ مگر علامہ خفاجی نے بھی دار قطنی کے حوالے سے اس کے موضوع ہونے کو ذکر نہ فرمایا۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ یہ دونوں حضرات (ملا علی قاری، علامہ خفاجی) دار قطنی کے حوالے سے گفتگو کریں اور بقول محشی مذکور کہ دار قطنی نے اسے موضوع کہا ہے، اسے نقل نہ کریں۔ اس کے برخلاف جس نے اسے موضوع کہا تھا علامہ خفاجی نے اس کی ضرور صراحت فرما دی کہ ابن حزم نے اسے موضوع قرار دیا ہے۔

وجہ ثانی : محشی مذکور نے موضوع ہونے کے اپنے دعوے پر ابوزرعہ کا قول دلیل کے طور پر جو نقل کیا ہے کہ ''اس نے بے اصل حدیثیں روایت کی ہیں''، تو اس سے بھی اس حدیث کا موضوع ہونا ثابت نہیں ہوتا کیونکہ ابوزرعہ کا مذکورہ قول حکم بالوضع کے باب میں صریح نہیں ہے۔ پھر لسان المیز ان میں سعید بن عمر کے حوالے سے ابوزرعہ کا ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ سعید کا اُن سے جعفر کی کچھ مرویات کا مذاکرہ ہوا تو ابوزرعہ نے اُن میں سے کچھ حدیثوں سے اپنی نکارت وعدم معرفت کا اظہار کیا اور بعض کے تعلق سے صریح طور پر یہ ارشاد فرمایا کہ وہ باطل وموضوع ہیں۔ ان کے ان دو متغائر اور مختلف جملوں اور حکموں سے معلوم ہوتا ہے کہ ابوزرعہ ''لا اصل لہا'' سے حدیثوں کا موضوع ہونا مراد نہیں لیتے۔ کیونکہ جعفر کی جن مرویات کو انہوں نے موضوع جانا انہیں مذکورہ واقعہ ''لا اصل لہا'' نہ کہا بلکہ انہیں صریح طور پر ''موضوع باطل'' سے تعبیر فرمایا ہے۔ لہٰذا یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ ابوزرعہ کے قول ''لا اصل لہا'' کو اس حدیث جعفر کے موضوع ہونے پر دلیل نہیں بنایا جا سکتا۔ نیز ان کا ''لا اصل لہا'' کہنا اُن کے اپنے علم ومعرفت کی بنیاد پر ہے۔ جس سے یہ ہرگز لازم نہیں آتا کہ دوسروں کے نزدیک بھی اس کی اصل ثابت نہ ہو۔

وجہ ثالث: جعفر کے حالات کے ضمن میں یہ بھی نقل کیا گیا ہے کہ ''وہ بے اصل حدیثیں نقل کرتا ہے، ثقہ راویوں سے منکر حدیثیں لے کر آتا ہے'' نیز ابوحاتم کے حوالے سے اس کے حالات میں یہ بھی مذکور ہے کہ ''اس پر وضع سند اور احادیث کو سرقہ کرنے کا الزام لگایا گیا ہے''۔ یہ بھی اس بات کا واضح قرینہ ہے کہ وضع سے مراد

''وضع سند'' ہے نہ کہ ''وضع متن سند'' اور دونوں میں زمین وآسمان کا فرق ہے کیونکہ محدثین کرام کبھی کسی حدیث کو سند کے موضوع ہونے کے اعتبار سے موضوع کہتے ہیں اور کبھی متن کے اعتبار سے لہٰذا جب وضع سند کے اعتبار سے کسی حدیث کو موضوع کہا جائے تو وہ حکم صرف اور صرف سند ہی تک محدود رہے گا متن تک نہ جائے گا۔

جعفر پر ایک جرح غیر مفسر بھی جاری کی گئی تھی۔ جس کے سلسلہ میں حضرت تاج الشریعہ علامہ ابن صلاح کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ اسباب جرح کی تعیین کے سلسلہ میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ ایسی صورت میں ایک فریق کے نزدیک ایک جرح قابل قبول ہوگی اور دوسرے کے نزدیک وہی جرح نا قابل قبول ہوگی لہٰذا اسباب جرح کا واضح طور پر ذکر ضروری ہے تا کہ یہ متعین ہو سکے کہ ان اسباب کی وجہ سے یہ جرح قابل قبول ہے یا نہیں۔

وجہ رابع: پھر ماقبل میں سعید کے مذاکرہ کے ضمن میں ابوزرعہ کے حوالے سے جو یہ کہا گیا کہ جعفر کی کچھ حدیثوں کو ابوزرعہ نے باطل موضوع قرار دیا تو یہ بھی جملہ کئی معانی کا احتمال رکھتا ہے کیونکہ ممکن ہے کہ انہوں نے یہ جملہ ان حدیثوں کے بارے میں بولا ہو کہ جن کا دارومدار صرف جعفر پر تھا جس سے ہرگز یہ لازم نہیں آتا کہ اس کی تمام حدیثیں ہی اسی طرح ہوں۔ لہٰذا جعفر کی وجہ سے خاص طور پر اس حدیث کے بارے میں موضوع ہونے کا گمان کرنا صحیح نہیں ہے۔

وجہ خامس: محشی مذکور طٰہٰ عبدالرؤف نے اس حدیث کے موضوع ہونے کے اپنے دعوے کو علامہ ابن حجر کی جانب منسوب کیا ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ علامہ

ابن حجر نے اولاً اس حدیث کے اوپر محض ''ضعیف واہ'' کا حکم لگایا ہے۔علامہ ابن حزم کے تعلق سے ضرور یہ فرمایا ہے کہ اس نے کہا ہے کہ یہ حدیث موضوع باطل ہے۔اس کے بعد علامہ ابن حجر نے تو امام بیہقی کے اس قول کہ ''حدیث مسلم اس کے بعض معانی کی تائید کرتی ہے''، سے ابن حزم کے دعوے کو باطل کیا ہے نہ یہ کہ خود وہ اس کو موضوع کہہ رہے ہیں۔لہٰذا طٰہٰ عبدالرؤف کا علامہ ابن حجر پر یہ ایک صریح اور جھوٹا الزام ہے۔

وجہ سادس: محشی مذکور نے جعفر کی وجہ سے اس حدیث پر وضع کا حکم لگایا اور دار قطنی کے قول ''یضع الحدیث'' کا حوالہ دیا حالانکہ خود دار قطنی نے اس حدیث کی تخریج فرمائی ہے۔لہٰذا اگر جعفر والی سند سے اس حدیث کی اُن کے ذریعہ کی گئی تخریج ثابت ہو جائے تو اولاً اس بات سے ان کا قول ''یضع الحدیث''، ٹوٹ جائے گا، ان کے اس فعل تخریج سے کہ جو انہوں نے بغیر موضوع کہے اس کی تخریج فرمائی۔ثانیاً اس تخریج سے تو جعفر کی توثیق ہو گی بالفرض توثیق نہ بھی مانی جائے تو کم از کم اس سے یہ تو ثابت ہو ہی گیا کہ جعفر کی حدیث لکھے جانے اور قبول کئے جانے کے لائق ہے۔نیز ابن عدی کا قول کہ وہ حدیث سرقہ کرتا ہے اور ثقہ راویوں سے منکر حدیثیں لاتا ہے، یہ حکم بھی وضع سند کی طرف راجع ہے نہ کہ وضع متن کی طرف۔

محشی مذکور نے اس حدیث کے موضوع ہونے کو ثابت کرنے کے لیے اس حدیث کے تعلق سے کہے گئے ابو زرعہ کے اس قول کے ''انہ من بلایاہ'' سے استدلال کیا ہے، یہ بھی قابل رد ہے۔کیونکہ یہ بھی اپنے ظاہر پر محمول نہیں۔اس کی

وجہ یہ ہے کہ اس حدیث کا دار و مدار صرف جعفر پر نہیں نیز اس حدیث کی دوسری حدیث سے تائید بھی ہو رہی ہے۔تو اس کی وجہ سے اسے موضوع کیسے قرار دیا جا سکتا ہے؟ امام ذہبی اور ابن حجر نے میزان اور لسان المیز ان میں جعفر کے تعلق سے ایک بات یہ بھی ارشاد فرمائی ہے کہ جعفر کو اس بات کی قسم دلائی گئی تھی کہ وہ حدیث بیان نہ کرے گا اور نہ ''حدثنا'' کہے گا۔اس سے بھی جعفر کے اوپر وضع حدیث بمعنی وضع متن کا حکم نہیں لگایا جا سکتا کیونکہ اس عبارت سے صراحۃً صرف یہ ثابت ہو رہا ہے کہ اسے حدیث بیان کرنے کی اجازت نہیں تھی اور اجازت حدیث کی نفی سے ارتکاب وضع ثابت نہیں ہوتا۔نہ سند میں اور نہ متن میں ۔نیز حدیث بیان کرنے کی ممانعت جرح مبہم کے قبیل سے ہے۔جو لائق اعتنا نہیں۔اسی طرح ابن عدی نے جعفر کی حدیثوں پر جو یہ حکم لگایا ''کلها بواطيل '' کہ سب کی سب باطل ہیں۔یہ حکم بھی مجمل ہے کیونکہ محض اتنے سے یہ واضح نہیں ہو رہا کہ بطلان آیا سند کی جہت سے ہے یا متن کی جہت سے؟ اگر متن کی جہت سے ہے تو حکم وضع کا سبب کیا ہے؟ علامت وضع کیا ہے؟ نیز یہ موضوع کی کس قسم سے تعلق رکھتی ہے؟ بلا شبہ یہ محل تفصیل ہے جس میں اجمال ممنوع ہے۔

وجہ سابع: اس حدیث کو موضوع بتانے والوں میں ابن حزم منفرد ہے۔سب سے پہلے اسی نے اس کے اوپر موضوع ہونے کا حکم لگایا اور اسی کی اتباع کرتے ہوئے قدیم و جدید سلفیہ اور وہابیہ بھی اسے موضوع بتانے لگے۔محشی مذکور نے بھی اس حدیث پر وضع کا حکم لگانے پر ابن حزم ہی پر اعتماد کیا ہے۔حالانکہ ابن حزم نے

اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد حارث بن غصین اور سلاّم بن سلیمان کی وجہ سے اس حدیث پر کلام کیا ہے اور یہ دعویٰ کیا ہے کہ ''سلاّم بن سلیمان موضوع حدیثیں روایت کرتا تھا اور بلا شبہ یہ حدیث بھی انہیں موضوع حدیثوں میں سے ہے لہٰذا اس کی اسناد کے ضعیف ہونے کی وجہ سے یہ روایت ساقط ہے''۔

ابن حزم کا یہ دعویٰ کئی اعتبار سے قابل ردّ ہے کیونکہ اس کے ذریعہ عائد کردہ یہ حکم، سند سے متعلق ہے نہ کہ متن سے۔ جس پر قرینہ اس کا اگلا قول ہے کہ یہ روایت ساقط ہے۔ الخ نیز ابن حزم کا ''ھذا منھا بلا شك'' کا یہ دعویٰ، ممنوع ہے کیونکہ یہ بنا دلیل ہے۔ پھر اس کے قول کا پہلا جملہ دوسرے جملے ہی سے منقوض و متعارض ہے کیونکہ وہ خود آخری جملے میں اس کی سند کے ضعیف ہونے کا اقرار کر رہا ہے۔ جبکہ ضعف سند ضعف متن ہی کو مستلزم نہیں چہ جائے کہ وہ کسی حدیث کے موضوع ہونے کو مستلزم ہو۔ مجہول ہونے کی وجہ سے حدیث ابن عمر کے دو راویوں عبد الرحیم اور زید عمی کو متروک قرار دینے سے بھی زیادہ میں زیادہ اس حدیث کا ضعیف ہونا لازم آئے گا نہ کہ موضوع ہونا۔ بزار نے جو یہ کہا کہ ''ھذا کلام لا یصح عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم'' کہ یہ حدیث آقا کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے صحیح نہیں۔ بزار کے اس قول سے اس حدیث کو موضوع ثابت کرنا یا اس کو باطل و کاذب کہنا یہ بھی باطل ہے کیونکہ بزار کے اس قول کا مفاد صرف اتنا ہے کہ یہ حدیث محدثین کی اصطلاح والی ''حدیث صحیح'' کے درجے تک پہنچی ہوئی نہیں ہے۔ کیونکہ صحت کی نفی سے تو کسی حدیث کا حسن نہ ہونا ہی ثابت نہیں ہوتا چہ جائے کہ یہ اس حدیث کے

ضعیف یا موضوع ہونے کا افادہ کرے۔

☆ان ساتوں وجوہات کی تفصیلات کو پڑھیں اور ان کے بین السطور میں پائے جانے والے فن حدیث اور فن جرح وتعدیل کے گراں قدر موتیوں کو چنیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ تاج الشریعہ کی تحریروں اور ان کے بیان کردہ نکات میں امام اہل سنت اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کا فیضان بھرپور انداز میں جھلک رہا ہو اور بلاشبہ حقیقت بھی یہی ہے۔

☆ان ساتوں وجوہات کے ضمن میں محشی مذکور، ابن حزم اور سلفیوں کے اس دعوے کہ یہ حدیث موضوع ہے، اس کی دھجیاں بکھیرنے اور اس دعوے کے ظاہر البطلان ہونے کی قلعی کھولنے کے بعد سرکار تاج الشریعہ علیہ الرحمہ نے ابن حزم کے کچھ اقتباسات نقل کر کے ہر ایک کا ردّ بلیغ فرمایا ہے۔ اخیر میں آپ نے یہ بھی واضح فرمایا ہے کہ اس حدیث یا اس طرح کی دیگر روایتوں کو موضوع کہہ کر ردّ کرنے کے پیچھے ان سلفیوں کی ایک غرض فاسد کارفرما ہے اور وہ یہ کہ جب صحابہ کرام ہی مجروح ہو جائیں گے، ان کی عدالت ہی ساقط کر دی جائے گی۔ ان کی اقتدا ہی باطل ہو جائے گی تو تقلید کا دروازہ ہی سرے سے بند ہو جائے گا اور ہر شخص کو اجتہاد کرنے کی اتھارٹی مل جائے گی۔ صالحین کی تقلید کو چھوڑ کر عیاش، گمراہ اور دنیاداروں کی تقلید کا قلادہ امت مسلمہ کے گلے میں آسانی کے ساتھ ڈال دیا جائے گا۔ جبکہ مسلمہ حقیقت یہ ہے کہ صحابہ کرام کو اجتہاد کرنے اور ان کے اجتہاد کی تقلید کرنے کا حکم خود آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عنایت فرمایا ہے۔ جیسا کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کی حدیث اس کی سب سے واضح دلیل ہے۔

☆ابن حزم اوران کے متبعین کی جسارت ، بے ادبی اور گستاخی کی نظیر پیش کرتے ہوئے حضرت تاج الشریعہ علیہ الرحمہ نے صحابی رسول حضرت ابوطفیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں اس کی گستاخانہ گفتگو کونقل فرماتے ہوئے کہا ہے کہ ابن حزم نے حضرت ابوطفیل کومقدوح قرار دیااوراس کی وجہ یہ بیان کی کہ یہ مختار کے جھنڈابردار تھے جورجعت کاعقیدت رکھتا تھا۔

جبکہ ماقبل میں ہم یہ ثابت کر چکے ہیں کہ قرآن وحدیث کے ظاہرنصوص اور اجماع سے یہ بات ثابت ہے کہ تمام صحابہ عادل وثقہ ہیں۔اس نے حضرت ابوطفیل ہی کی عدالت کوساقط نہ کیا بلکہ اس کی وجہ سے تمام صحابہ کی عدالت کوساقط کرنے کی اس نے جسارت وکوشش کی ہےاوریہی اس کامقصود بھی ہے بلکہ تمام وہابیہ ہی کی یہ کوشش ہے کہ امت مسلمہ کے دلوں سے صحابہ کرام کی عظمت و وقعت کوختم کر دیا جائے۔انہیں قابل طعن قرار دیا جائے۔انہیں تنقید سے بالاتر نہ سمجھا جائے اوران پر جرح جاری کی جائے۔(العیاذ باللہ)

☆اخیر میں حضرت تاج الشریعہ نے ایک بہت ہی کارآمدنسخۂ کیمیا عطا فرمایاہے کہ اگرکوئی حدیث اصول شرع سے متصادم نہ ہوتو اس پرعمل پیرا ہو جانا چاہیئے کہ اگر وہ حقیقت کے اعتبار سے ثابت شدہ حدیث ہے توعمل کا بھی ثواب اورحدیث پرعمل کرنے کا بھی اجر۔ بالفرض نفس الامر میں وہ حدیث نہ بھی ہوتب بھی کسی اچھے کام کرنے میں کیا نقصان ہے۔عقلمندی کا تقاضا یہ نہیں کہ عمل کرنے کے لیے صحت سند کا

انتظار کرے کیونکہ جب تک صحت سند کا ثبوت ملے گا تب تک تو عمل کرنے کا وقت ہی نکل جائے گا۔ بلکہ دانشمندی یہ ہے کہ جب کوئی اچھی بات ملے تو اس پر عمل کرنا شروع کر دے کہ ہر اعتبار سے فائدہ ہی فائدہ ہے۔

اس اصول کو ذہن نشیں کرانے کے لیے آپ نے اعلیٰ حضرت کے رسالہ ''الہاد الکاف'' سے ایک بہت عمدہ مثال پیش فرمائی ہے جس کا مفہوم و خلاصہ یہ ہے کہ ''شدت مرض کے شکار آدمی کو اگر کوئی شخص کسی حکیم کے حوالے سے کوئی نسخہ بتائے تو عقلمندی یہ ہے کہ وہ اپنے مرض کو دور کرنے کے لیے فوراً اس پر عمل کرتے ہوئے اس دوا کا استعمال کرے۔ دانشمندی یہ نہیں کہ وہ اس بات کی تلاش میں پڑے کہ یہ نسخہ اس حکیم سے مجھ تک کس سند کے ذریعہ سے پہنچ رہا ہے۔ اس کے پہنچانے والے کیسے ہیں؟ کیونکہ اگر وہ اس کی تلاش میں پڑے گا تو جان سے ہاتھ دھو بیٹھے گا۔ یہ تو اس مثل کے مطابق ہوا کہ جب تک زہر کاٹنے والی تریاق نامی دوا عراق سے آئے گی تب تک تو سانپ کا ڈسا ہوا شخص اس دنیا سے ہی رخصت ہو جائے گا''۔

بلا شبہ یہ پورا رسالہ ہی فن حدیث، نقد رجال، فن اسماء الرجال، فن جرح تعدیل کے علاوہ فن مناظرہ کے آبدار موتیوں سے بھرا پڑا ہے۔ اس کو پڑھ کر معلوم ہوتا ہے کہ علم حدیث، درایت حدیث، روایت حدیث کے ساتھ ائمہ جرح و تعدیل کے الفاظ جرح کے حقیقی مفہوم، ان کے محمل اور ان کی مراد کیا ہے؟ ان سب باتوں میں حضرت تاج الشریعہ علیہ الرحمہ کا پایہ کس قدر بلند تھا۔ آپ نے اپنی بے مثال علمی خدمات کے ذریعہ یہ ثابت کر دیا کہ اعلیٰ حضرت اور مشائخ خانوادۂ رضویہ کے علوم و

فنون، معرفت وحکمت اور روحانیت کے آپ ہی بلاشبہ سچے وارث وامین تھے۔

خلاصہ: خلاصہ یہ ہے کہ

☆ حدیث ''اصحابي کالنجوم'' کا مفہوم کئی صحیح وحسن حدیثوں سے یکسانیت رکھتا ہے۔

☆ اسلاف امت نے اس کو قبول کیا ہے۔

☆ ائمۂ کرام نے اس پر عمل بھی کیا ہے۔

☆ مشہور و مستند ائمہ حدیث نے اس پر اعتماد، اور اس سے استناد واحتجاج بھی کیا ہے۔

☆ علمائے ملت اسلامیہ زمانۂ قدیم سے لیکر آج تک اسے اپنی کتابوں میں نقل کرتے چلے آرہے ہیں۔

☆ یہ حدیث متعدد طرق سے مروی ہے۔

☆ اس حدیث کی صحیح سند پر ائمۂ فن کا مطلع نہ ہونا اس بات کو لازم نہیں کرتا کہ واقعی اس کی کوئی صحیح سند ہے ہی نہیں۔

لہذا ان تمام وجوہات کے اعتبار سے یہ حدیث قابل عمل بھی ہے اور بلا تفریق و بلا استثناء تمام صحابہ کرام کو ہادی و رہنما ماننے کی ہم سب کو دعوت بھی دے رہی ہے اور ہمیں ثبوت ودلیل بھی فراہم کر رہی ہے۔

الصحابة نجوم الاهتداء کا اردو ترجمہ: حضرت تاج الشریعہ کے اس بے مثال اور اہم رسالے کی زبان عربی ہونے کی وجہ سے اردو داں طبقہ اس کے برکات سے محروم تھا۔ضرورت اس بات کی تھی کہ اس کا سلیس اور با محاورہ ترجمہ کر کے ذخیرۂ اردو ادب کو بھی اس کے انوار و برکات سے بہرہ مند کیا جاتا۔ چونکہ اس رسالے کی عربی فصیح او پر سے دقیق علمی اور فنی بحثیں جس کی وجہ سے اس کو اردو کا جامہ پہنانا ہر ایک کا حصہ نہ تھا۔ اس کے لئے ضرورت تھی ایسی علمی شخصیت کی کہ جو اردو اور

عربی زبان پر مکمل عبور رکھتا ہو، اردو کے محاورات وامثال پر گہری نظر رکھنے کے ساتھ عربی کے بھی امثال ومحاورات میں اسے درک حاصل ہو۔ اس کے ساتھ ہی اس کے اندر خانوادۂ رضویہ کی علمی شخصیات کے علمی مزاج سے شناسائی بھی ہو، واقفیت بھی ، تاثیر بھی ، اثر بھی اور اس کی جھلکیاں بھی۔ چنانچہ اس ضرورت کو پورا کیا خانوادۂ رضویہ ہی کے ایک عظیم شہزادۂ گرامی نے کہ جن کی رگوں میں اعلیٰ حضرت اور خانوادۂ رضویہ کا لہو گردش کررہا ہے۔ جن کے اندر اعلیٰ حضرت کے لہو کا اثر بھی ہے اور اس کی تاثیر بھی۔ ظاہر سی بات ہے کہ ''صاحب البيت ادرىٰ مافی البيت'' کی وجہ سے تاج الشریعہ کی کتاب کے ترجمہ کا جو حق انہیں کے علمی گھرانہ کا فرد ادا کرسکتا ہے وہ دوسرا نہیں۔ حضرت تاج الشریعہ کی اس کتاب کا فصیح اردو زبان میں بامحاورہ ترجمہ کرکے اہل سنت و جماعت خاص کر خانوادۂ رضویہ سے عقیدت ومحبت رکھنے والے افراد کی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچانے کا کام کیا ہے خانوادۂ رضویہ کے اس عظیم شہزادۂ گرامی نے کہ جنہیں ہم حضرت علامہ مولانا محمد فیض رضا خاں عادل ازہری کے نام سے جانتے ہیں۔

ترجمہ کی خصوصیات:- فن ترجمہ نگاری میں سب سے عمدہ اور مقبول ترجمہ وہ مانا جاتا ہے کہ جسے پڑھ کر قاری کو یہ گمان نہ ہو کہ یہ محض ترجمہ ہے بلکہ وہ اسے مستقل تحریر وتصنیف سمجھے۔ حضرت مترجم موصوف نے حضرت تاج الشریعہ کی کتاب ''الصحابة نجوم الاهتداء'' کو اردو کا جو جامہ پہنایا ہے اس کے اندر یہ خوبی بدرجۂ اتم موجود ہے۔ زبان سادہ وسلیس ہے۔ ترجمہ بامحاورہ ہے۔ روھیلکھنڈ خاص کر بریلی شریف کی اردو زبان میں پائی جانے والی شیرینی وحلاوت سے بھرپور ہے۔ اس ترجمہ کو ہم مفہومی اور توضیحی ترجمہ کا نام دے سکتے ہیں۔ اگر کسی کو اصل کتاب کے بارے میں علم نہیں تو وہ اس ترجمہ کو مستقل کتاب ہی سمجھے گا۔ سب سے

بڑی بات تو یہ ہے کہ دو چار روز کی بہت کم مدت میں موصوف نے اس کا ترجمہ مکمل کیا۔ تصحیح و نظر ثانی کی ذمہ داری راقم الحروف کو سونپی گئی۔ یہ ترجمہ اب آپ حضرات کے سامنے ہے۔ آبروئے خانوادۂ رضویہ کے علم و فن سے استفادہ کرنے کے ساتھ شہزادۂ خانوادۂ رضویہ مترجم موصوف حضرت علامہ مولانا محمد فیض رضا خاں مدظلہ کے بھی علمی برکات سے بہرہ مند ہوں اور دعا کریں کہ خاندان اعلیٰ حضرت کے نوعمر شہزادگان کو اللہ رب العزت خانوادۂ رضویہ کی علمی شان و شوکت کا محافظ و پاسبان اور خانوادۂ رضویہ کی امتیازات و خصوصیات کا مکمل عکس جمیل اور آئینہ دار بنائے۔ آمین بجاہ حبیبہ سید المرسلین علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم۔

محمد سلیم بریلوی

جامعہ رضویہ منظر اسلام سوداگران بریلی شریف

۸/ذی الحجہ ۱۴۳۹ھ/۲۰/اگست ۲۰۱۸ء

مصنفِ کتاب حضرت تاج الشریعہ کے احوال و کوائف

از: محمد فیض رضا خاں قادری ازہری بریلوی

الصحابۃ نجوم الاھتداء کے مصنف و مؤلف میرے دادا تاج الشریعہ حضرت علامہ مفتی محمد اختر رضا خاں ازہری علیہ الرحمہ کی آج عالم اسلام میں محتاج تعارف نہیں۔ اس دور میں علم و عمل، تصنیف و تالیف، بیعت و ارشاد، تقویٰ و پرہیزگاری، عوام و خواص کے درمیان مقبولیت اور اور حسن سیرت و حسن صورت میں آپ کی دور دور تک کوئی مثال نہیں ملتی۔ آپ جدھر قدم رکھ دیتے خلق خدا ٹوٹ کر امنڈ پڑتی۔ جس علاقے میں آپ چلے گئے وہاں مسلک اعلیٰ حضرت کی دھوم مچ جاتی۔ آپ کی نورانی صورت دیکھنے کے لئے عاشقوں کا جم غفیر امنڈ پڑتا۔ آپ نے اپنی حیاتِ طیبہ میں بیشمار دینی

، مذہبی، مسلکی، علمی روحانی اور لاتعداد علمی خدمات انجام دیں۔نہ جانے کتنوں کو راہ ہدایت دکھائی اور نہ جانے کتنوں کے ایمان وعمل کی حفاظت فرمائی۔آپ بلا شبہ جماعت اہل سنت کے بے باک ترجمان، مسلک اعلیٰ حضرت کے نڈر و بہادر مبلغ و داعی اور اسلاف کرام خصوصا سیدی سرکار اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالی عنہ کے افکار ونظریات کے محافظ و پاسبان تھے۔ذیل میں ہم آپ کی حیات مبارکہ کے کچھ اہم کوائف درج کر رہے ہیں:۔

☆ ۲۳ر نومبر ۱۹۴۳ء کو حضرت مفسر اعظم ہند کے گھر پر آپ کی ولادت ہوئی۔محمد نام پر عقیقہ ہوا۔اسمٰعیل رضا نام رکھا گیا۔اختر رضا کے عرفی نام سے مشہور ہوئے۔

☆ ۴ر سال ۴ر مہینہ چار دن کی عمر میں ۱۹۴۶ء کو رسم تسمیہ خوانی ہوئی۔سرکار مفتی اعظم ہند نے تسمیہ خوانی کرائی۔قرآن کریم والدہ ماجدہ نے پڑھایا اور ابتدائی اردو و فارسی سرکار مفسر اعظم ہند سے پڑھی۔

☆ ۱۹۵۲ء میں اسلامیہ انٹر کالج میں داخلہ لیا اور مروجہ عصری تعلیم حاصل کی۔

☆ ۱۹۵۶ء میں میزان، منشعب اور نحو میر سے منظر اسلام میں درس نظامیہ کی تعلیم شروع کی۔

☆ ۱۹۶۰ء سے شعر و شاعری کا آغاز کیا۔

☆ ۱۳، ۱۴، ۱۵ر جنوری ۱۹۶۲ء میں منظر اسلام کا جشن دستار بندی ہوا۔۱۵ر جنوری کی صبح تاجدار اہل سنت سرکار مفتی اعظم ہند نے اپنے کاشانۂ مبارکہ پر محفل میلاد پاک کا انعقاد فرمایا۔اسی موقع پر بیشمار علماء اور نو فارغ فضلاء کی موجودگی میں آپ کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے کر تمام سلاسل کی اجازت وخلافت عطا فرمائی۔

☆ ۱۹۶۳ء میں جامعہ ازہر مصر میں داخلہ لیا۔

☆ ۱۹۶۴ء میں اول پوزیشن حاصل کرنے پر مصر کے صدر مملکت جمال عبد الناصر

کے ہاتھوں ایوارڈ ملا۔
☆۱۲؍جون ۱۹۶۵ء کو حضرت جیلانی میاں کا وصال ہو گیا۔آپ جامع ازہر میں زیر تعلیم ہونے کی وجہ سے آخری دیدار اور تدفین وغیرہ کی رسومات سے محروم رہے۔جس کا آپ کو بے پناہ غم ہوا۔
☆۱۷؍نومبر ۱۹۶۶ء میں آپ جامع ازہر کی تعلیم مکمل کر کے بریلی شریف تشریف لائے تب آپ کا شاندار استقبال کیا گیا۔
☆اسی سال آپ نے پہلا فتویٰ لکھ کر مفتی سید افضل حسین مونگیری اور سرکار مفتی اعظم ہند کو دکھایا جس میں نکاح، طلاق اور میراث سے متعلق سوالات تھے۔
☆جنوری ۱۹۶۷ء کو منظر اسلام میں استاذ و مفتی مقرر ہوئے۔
☆۳؍نومبری ۱۹۶۸ء میں استاذ زمن کی پوتی اور حضرت مولانا حکیم حسنین رضا خاں صاحب کی شہزادی صاحبہ سے عقد نکاح ہوا۔
☆۱۹۷۰ء میں آپ کے شہزادے حضرت عسجد میاں صاحب کی پیدائش ہوئی جن کا نام محمد منور رضا حامد اور عرفی نام عسجد رضا رکھا گیا۔
☆۱۹۷۸ء میں منظر اسلام کے صدر المدرسین کی حیثیت سے انتخاب عمل میں آیا۔
☆۱۹۸۲ء میں مرکزی دار الافتاء کی بنیاد ڈالی۔
☆ماہ دسمبر ۱۹۸۳ء میں آپ نے پہلا سفر حج و زیارت کیا اسی سال ماہنامہ سنی دنیا کا اجراء فرمایا۔
☆اگست ۱۹۸۶ء میں آپ تیسرے حج کے لیے حرمین طیبین تشریف لے گئے جہاں وہابیہ کی خباثت کی وجہ سے آپ کو بلا وجہ شرعی قید کر لیا گیا۔پوری دنیا خاص کر ہندو پاک میں جگہ جگہ مظاہرے ہوئے جس کے دباؤ میں سعودی حکومت نے آپ کو مدینہ طیبہ کی حاضری کے بغیر مکۃ المکرّمہ ہی سے ہندوستان واپس بھیج دیا۔

☆ ۱۹۸۹ء میں جماعت رضائے مصطفیٰ کا نشأۃ ثانیہ کیا۔آپ اس کے سرپرست اعلیٰ منتخب ہوئے۔

☆ ۱۷/فروری ۱۹۹۱ء کو امین شریعت حضرت مفتی محمد سبطین رضا خاں علیہ الرحمہ کی صاحبزادی سے آپ نے اپنے اکلوتے فرزند حضرت عسجد میاں صاحب کا عقد نکاح کیا۔

☆ ۱۹۹۸ء میں سرزمین بریلی شریف پر ''مرکز الدراسات الاسلامیہ جامعۃ الرضا'' کا منصوبہ بنایا۔''امام احمد رضا ٹرسٹ'' کے رجسٹریشن کے بعد بریلی شریف کے متھرا پور میں بریلی دہلی شاہراہ پر ۲۴/بیگھہ زمین خریدی۔۲۰۰۰ء میں تعمیری کام شروع ہوا۔

☆ ۲،۳ستمبر ۲۰۰۴ء میں شرعی کونسل آف انڈیا کا پہلا دوروزہ فقہی سیمینار رہوا۔

☆ ۵/مئی ۲۰۰۹ء آپ کو''فخر ازہر'' کا تمغہ ملا۔

☆ ۲۰۱۳ء میں آپ کی غسل کعبہ میں شرکت ہوئی۔کعبہ کے اندر داخل ہوکر زیارت کی،نماز ادا کی اور دعا مانگنے کی سعادت میسر ہوئی۔

☆ ۱۹/جولائی ۲۰۱۸ء میں مغرب کے وقت نماز مغرب کے لیے آپ نے وضو فرمایا کہ اتنے میں رضا مسجد سے اذان کی صدا بلند ہوئی۔ ''اللہ اکبر اللہ اکبر'' اذان کے ان دو کلمات کا جواب دینے کے بعد اسم اعظم ''اللہ'' کہہ کر اس دار فانی سے کوچ فرما گئے۔انا لله وانا اليه راجعون۔

مترجم کا مختصر سوانحی خاکہ

از قلم: مفتی محمد سلیم بریلوی،استاذ جامعہ رضویہ منظر اسلام بریلی شریف

اجمالی تعارف:۔ حضرت علامہ محمد فیض رضا خاں عادل ازہری گلستان ریحان ملت کے اس شگفتہ وخوشنما پھول کا نام ہے کہ جس کی شگفتگی اور خوشبو سے بہت جلد اہل

سنت و جماعت کے مشام جاں معطر ہوں گے۔آپ حضرت تاج الشریعہ علیہ الرحمہ کے برادر اکبر حضرت ریحان ملت علامہ محمد ریحان رضا خاں علیہ الرحمہ کے پوتے ،صاحب سجادہ حضرت مولانا محمد سبحان رضا خاں سبحانی میاں مدظلہ النورانی کے برادر زادے ،خطیب اعظم ،تاج السنہ نبیرۂ اعلیٰ حضرت ،شہزادۂ ریحان ملت پیر طریقت ،رہبر شریعت حضرت علامہ مولانا محمد توصیف رضا خاں مدظلہ النورانی کے شہزادے ہیں۔

نسب:۔ سیدی سرکار اعلیٰ حضرت سے آپ کا سلسلہ نسب چار واسطوں سے مل جاتا ہے۔جو اس طرح ہے:

محمد فیض رضا خاں ازہری بن حضرت علامہ توصیف رضا خاں مدظلہما بن ریحان ملت حضرت علامہ ریحان رضا خاں بن مفسر اعظم حضرت علامہ محمد ابراہیم رضا خاں عرف جیلانی میاں بن حجۃ الاسلام حضرت علامہ محمد حامد رضا خاں بن اعلیٰ حضرت امام اہل سنت مجدد دین وملت امام احمد رضا خاں علیہم الرحمۃ والرضوان۔

نام وتاریخ پیدائش:۔ آپ کا پورا نام محمد فیض رضا خاں اور تخلص عادل ہے۔آپ کی پیدائش ۲۲/شعبان المعظم ۱۴۱۶ھ/۱۲/جنوری ۱۹۹۶ء کو ہوئی۔خطیب اعظم حضرت علامہ توصیف رضا خاں مدظلہ کی اولاد میں ایک شہزادی اور ایک شہزادے ہیں۔شہزادی بڑی ہیں اور شہزادۂ موصوف ان سے چھوٹے ہیں۔حضرت خطیب اعظم کی شہزادی کا عقد محلّہ گڑھی بریلی شریف کے رہنے والے عالیجناب محترم سید عامر صاحب بن سید مستجاب علی صاحب سے مسجد نبوی شریف مدینۂ منورہ میں

مؤرخہ ۱۵؍مارچ ۲۰۱۴ء بروز جمعرات کو ہوا۔جس کا خطبہ حضرت خطیب اعظم اور حضرت علامہ محمد فیض رضا خاں عادل ازہری مدظلہما نے پڑھا۔ان سے ایک شہزادے مؤرخہ ۱۱؍اگست ۲۰۱۷ء کو متولد ہوئے جن کا نام نانا جان حضرت خطیب اعظم نے ''سید انعام احمد'' تجویز فرمایا۔

رسم تسمیہ خوانی:۔ خاندانی رسم ورواج کے مطابق چار سال چار مہینہ اور چار دن کی عمر میں حضرت مترجم موصوف کی رسم تسمیہ خوانی ادا کی گئی۔

تعلیمی سفر:۔ قرآن عظیم اور ابتدائی دینی تعلیم گھر پر ہی حاصل کی۔چھ کلاسوں تک ابتدائی عصری تعلیم بریلی شریف کے انگلش میڈیم اسکول میں حاصل کی۔پھر ۲۰۰۸ء میں یادگار اعلیٰ حضرت جامعہ رضویہ منظر اسلام میں درجہ اعدادیہ کی تعلیم حاصل کی۔تسہیل المصادر پڑھانے کا شرف راقم الحروف کو حاصل رہا۔خانوادۂ رضویہ کی خصوصیات و امتیاز میں سے فطری ذہانت و فطانت بھی ہے۔جو بدرجۂ اتم مترجم موصوف میں پائی جاتی ہیں۔اس کا بارہا تجربہ خود راقم کو بھی ہوا۔درجۂ اعدادیہ میں اس وقت تقریباً ۲۵؍طلبہ تھے۔راقم کا طریقۂ کار تمرین کی کتابوں میں یہ رہا ہے کہ کتاب میں درج جملوں کے علاوہ ان کی مناسبت سے کچھ خارجی جملوں کی بھی انشاء بنواتا ہے۔اس درجہ کے طلبہ کے ساتھ بھی یہی طریقہ رہا۔مترجم موصوف کی یہ خاصیت تھی کہ وہ ان تمام طلبہ میں سب سے عمدہ انداز میں اردو سے فارسی اور فارسی سے اردو جملے بنا کر کے لاتے۔سارے طلبہ میں بہترین سبق سناتے۔چونکہ حضرت خطیب اعظم دعوت و ارشاد کے لئے ۱۹۷۸ء سے مسلسل ہند و بیرون ہند کا دورہ

کرتے ہیں۔حضرت ریحان ملت علیہ الرحمہ کے بعداس خانوادے سے بیرون ہند کا سب سے پہلا دورہ حضرت خطیب اعظم ہی نے کیا۔حضرت تاج الشریعہ علیہ الرحمہ کے کثیر اسفار کے بعد اس خاندان میں سب سے زیادہ اگر کسی نے بیرون ملک کے سفر کئے ہیں تو وہ حضرت خطیب اعظم ہی کی ذات ہے۔بلکہ کچھ ممالک تو ایسے ہیں کہ جہاں خانوادۂ رضویہ سے صرف آپ ہی کا دورا ہوا۔آپ نے ہندوستان کے تقریباً ہر صوبہ کا دورہ کرنے کے ساتھ نیپال،شری لنکا، پاکستان،موریشس،ساؤتھ افریقہ،سرینام،ہالینڈ،امریکہ،آسٹریلیا،ویسٹ انڈیز ، زمبابے ،تنزانیہ کے علاوہ مصر،دوبئ وغیرہ عرب ممالک کا بھی دورہ فرمایا۔چونکہ ان ممالک کی دینی حالت کو دیکھ کر آپ کو شدت کے ساتھ یہ احساس تھا کہ عالمی سطح پر دین ومسلک کی خدمت کے لئے ٹھوس علمی سرمایہ کے ساتھ عربی اور انگریزی جیسی عالمی زبانوں پر بھی عبور حاصل ہونا بہت ضروری ہے۔اس وجہ سے آپ نے ناز ونعم سے پلے بڑے اپنے اکلوتے اور کمسن شہزادے کے فراق کو برداشت کرتے ہوئے چھوٹی سی عمر ہی میں سن ۲۰۰۹ء میں افریقہ کی سرزمین پر تحصیل علم کے لئے بھیج دیا۔مترجم موصوف بھی تحصیل علم کے اتنے شائق کہ گھر کا سارا عیش وآرام تج کر ایک دور دراز کے ملک میں تشریف لے گئے ۔۲۰۱۲ء تک افریقہ کے دارالعلوم میں عربی اور انگریزی زبان و ادب کے ساتھ دینی تعلیم خصوصی طور پر حاصل کرتے رہے ۔۲۰۱۲ء میں آپ اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے مصر تشریف لے گئے جہاں ایک سال کا خصوصی عربی کورس کیا پھر ۲۰۱۳ء میں ازہر شریف کے ’’کلیۃ الشریعۃ الاسلامیہ‘‘ میں داخلہ ہوا اور یہاں سے

''تخصص فی الفقہ الحنفی'' ۲۰۱۷ء میں مکمل فرمایا۔تادم تحریر آپ ازہر شریف ہی میں رہ کر''ایم فل'' کر رہے ہیں۔

اجازت و خلافت:۔ ۲۰۱۲ء ہی میں ۲۵ رصفر کو عرس رضوی کے موقع پر قل شریف کے وقت لاکھوں کے مجمع میں اسلامیہ انٹر کالج کے عرس رضوی کے منبر سے آپ کے والد ماجد حضرت خطیب اعظم نے مترجم موصوف کو سلسلہ عالیہ قادریہ برکاتیہ رضویہ میں چلی آرہی سارے سلاسل کی اجازت وخلافت سے نوازا۔۲۰۱۴ء میں امین شریعت حضرت علامہ سبطین رضا خاں علیہ الرحمۃ والرضوان نے آپ کو اجازت و خلافت عطا فرمائی۔پھر ۳۰ رجولائی ۲۰۱۶ء میں قاضی شہر شہزادۂ تاج الشریعہ حضرت علامہ عسجد رضا خاں صاحب ،حضرت مفتی عاشق حسین صاحب اور عالیجناب محترم سعید نوری صاحب رضا اکیڈمی ممبئی کی موجودگی میں حضرت تاج الشریعہ علیہ الرحمہ نے ان الفاظ کے ساتھ آپ کو اپنی اجازت وخلافت سے نوازا کہ ''یہ بچہ مجھ سے بچپن سے محبت کرتا ہے اس کے گھر والے بھی مجھ سے محبت کرتے ہیں ،میں بھی اس سے محبت کرتا ہوں جو خلافت واجازت مجھے سینہ بسینہ اپنے آباؤ اجداد سے ملی میں نے اسے عطا کی۔''

كواكب الاقتداء
فى
الصحابة نجوم الاهتداء

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡم

الحمد لله الذى يرفع ويضع و يعطى و يمنع و يفعل مايشاء و الصلاة و السلام على سيدنا محمد المرفوع له اللواء الموضوع به البلاء، و على آله سفن النجاء و صحبه نجوم الاهتداء فى مناهج الاقتداء، وعلى من تبعهم باحسان الى يوم الجزاء۔ اما بعد!

حدیث اصحابی کالنجوم پر الزام وضع

کتاب الشفاء میں مذکور حدیث شریف "اصحابی کالنجوم بایهم اقتدیتم اهتدیتم "پر بعض نئے علماء نے کلام کیا ہے، کتاب مذکور کی تعلیق اور اس کے حاشیہ میں اس حدیث کے موضوع ہونے کا دعویٰ کیا گیا ہے۔ حالانکہ یہ دعویٰ صحیح نہیں ہے۔ اب میں یہاں پہلے ان کا وہ کلام نقل کروں گا پھر اس کا تعاقب کیا جائے گا کہ کیسے انہوں نے ان کی مراد کو توڑ مروڑ کر پیش کیا ہے۔ و باللہ استعین ھو حسبی و نعم المعین،

شفاء شریف میں مذکور حدیث شریف کے تحت جو حاشیہ ہے اس میں کہا گیا ہے کہ وہ موضوع ہے۔ امام ذہبی نے اسے المیزان جلد نمبر ۲ صفحہ ۱۴۱ پر جعفر بن عبد الواحد ہاشمی کے حالات میں ذکر کیا ہے اور انہیں سے دار قطنی کا قول: یضع الحدیث (یعنی وہ حدیثیں گڑھتا ہے) نقل کیا ہے۔ اور ابوزرعہ نے کہا کہ اس نے بعض حدیثیں ایسی نقل کی ہیں جن کی کوئی اصل نہیں ہے۔ اور ابوزرعہ نے اس حدیث کو بھی اس کی بلاؤں یعنی انہیں بے اصل حدیثوں میں شمار کیا ہے"۔ (انظر التلخيص الحبير لابن حجر ۲۰۹۸ والاحكام لابن حزم ٦١/٥)

میں (اختر رضا) کہتا ہوں کہ ان کا (موضوع) کہنا صحیح نہیں ہے۔اور اس کی دلیل میں امام دار قطنی کا قول "یضع الحدیث" پیش کرنا چند طریقے سے مردود ہے۔

ملا علی قاری کا کلام

اولا: ملا علی قاری نے دار قطنی سے نقل کیا کہ انہوں نے خود اس حدیث کی تخریج کی ہے اور (ملا علی قاری) نے جو فرمایا اس کے الفاظ یہ ہیں۔ "اخرجه الدار قطنی فی الفضائل"

ابن عبد البر نے اس حدیث کو اپنی سند سے روایت کر کے فرمایا: اسکی اسناد سے حجت قائم نہیں کی جا سکتی۔

عبد بن حمید نے اپنی سند کے ساتھ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اس حدیث کو روایت کیا ہے۔

بزار نے فرمایا: یہ حدیث منکر غیر صحیح ہے۔

اس حدیث کو ابن عدی نے "کامل" میں اپنی اسناد "عن نافع عن ابن عمر" سے حدیث کے الفاظ "اقتدیتم" کی جگہ "فایھم اخذتم" کے الفاظ کے ساتھ روایت کر کے فرمایا کہ اس کی سند ضعیف ہے۔

اسی طرح اس حدیث کو امام بیہقی رضی اللہ عنہ نے "مدخل" میں حضرت عمر سے، اسی طرح ابن عباس سے اور ایک دوسرے حوالے سے مرسلاً روایت فرمایا اور فرمایا اس کا متن مشہور ہے اور اس کی ساری سندیں ضعیف ہیں۔

حلبی نے کہا کہ صاحب شفاء کے لئے یہ مناسب تھا کہ وہ اس حدیث کو وہ صیغۂ جزم" کے ساتھ ذکر نہ کرتے۔ اہل فن کے یہاں معروف قواعد و وجوہات کی بناء پر اور اس کی مثال بارہا گزر چکی۔

امام ملا علی قاری ان تمام ائمہ کے اقوال نقل فرمانے کے بعد امام حلبی کے اعتراض کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ ہوسکتا ہے کہ یہ حدیث ان کے نزدیک ان کی خاص سندوں سے ثابت ہو یا کثرت طرق کی بنا پر ضعیف سے حسن کی جانب ترقی پر محمول کرلیا ہو(قاضی صاحب کے ساتھ حسن ظن رکھتے ہوئے) تاہم ضعیف حدیث پر بھی فضائل اعمال میں عمل کیا جاتا ہے۔ اللہ رب العزت حقیقت حال سے خوب آشنا ہے۔ (ملا علی قاری کا کلام ختم ہوا)

ملا علی قاری کے کلام کا مفاد

ملا علی قاری کے کلام مذکور سے مندرجہ ذیل باتیں ظاہر ہوتی ہیں۔

دار قطنی نے موضوع کہا ہوتا تو ملا علی قاری ضرور تصریح فرماتے

(۱) دار قطنی نے خود اس حدیث کو روایت کیا اور اس پر موضوع ہونے کا حکم نہیں لگایا اور اگر دار قطنی نے اس حدیث پر موضوع ہونے کا حکم لگایا ہوتا تو ملا علی قاری ضرور اسے نقل فرماتے۔

ابن عبد البر کے کلام سے بھی اس کا موضوع ہونا ثابت نہیں

(۲) ملا علی قاری نے ابن عبد البر سے جو یہ روایت کیا کہ انہوں نے اپنی سند سے حدیث جابر روایت کی اور فرمایا کہ ''اسکی سندوں کو حجت نہیں بنایا جاسکتا'' اس کا صریح فائدہ یہ ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے نہ کہ موضوع۔ اسی طرح بزار کا اس حدیث کو ''منکر غیر صحیح'' کہنے کا مطلب بھی یہی ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے موضوع نہیں۔ اسی طرح ملا علی قاری کا یہ قول کہ ابن عدی نے کامل میں اپنی اسناد ''عن ابن عمر'' سے '' فایهم اخذتم'' کے الفاظ کے ساتھ روایت کرتے ہوئے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے اسکا مطلب بھی یہی

ہے کہ یہ حدیث مرتبہ ضعف سے وضع تک نہیں پہنچی ملا علی قاری نے امام بیہقی کے حوالہ سے جو بیان کیا کہ انہوں نے اس حضرت کو مدخل میں حضرت عمر اور حضرت ابن عباس سے اور اسی طرح ایک تیسرے صاحب سے مرسلا روایت کرتے ہوئے بیہقی نے فرمایا کہ'' اس حدیث کا متن مشہور ہے اور اس ساری سندیں ضعیف'' ہیں۔اس عبارت میں اچھی طرح غور کرنا چاہئے کیونکہ جب ہم نے امام بیہقی کے مذکورہ قول میں تھوڑا سا غور کیا تو معلوم ہوا کہ انہوں نے اپنی اس عبارت میں ایک زائد فائدہ ذکر فرمایا ہے اور وہ یہ ہے کہ اس کا متن مشہور ہے اگرچہ اس کی سندوں میں ضعف ہے نیز امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے ایک اور مزید افادہ کی بھی صراحت ہے کہ حدیث شریف کو بین الائمہ والمحد ثین مقبولیت حاصل ہے اور تلقی بالقبول خود راویوں کی توثیق کو متضمن ہوا کرتی ہے۔ لہذا تلقی بالقبول نے کثرت طرق سے حاصل قوت پر مزید قوت کا اضافہ کر دیا اور اسی لئے ملا علی قاری نے اپنے آخری کلام میں اس بات کو واضح فرمایا کہ یہ حدیث کثرت طرق کے ذریعہ درجہ حسن کو ترقی کر گئی ہے۔

علامہ شہاب خفاجی نے بھی اس کے موضوع ہونے کی تصریح نہیں کی

اسی طرح علامہ شہاب الخفاجی نے اپنے کلام کے شروع میں دار قطنی کے حوالے سے نقل کیا کہ امام بیہقی نے اس (حدیث) کو روایت کیا مگر امام خفاجی نے یہ نہیں بتایا کہ دار قطنی نے اس حدیث پر بالخصوص وضع کا حکم لگایا ہے لہذا دار قطنی کے محض اس قول'' یضع الحدیث'' کو اس حدیث کی موضوعیت پر دلیل بنانا صحیح نہیں اور شیخ خفاجی کے الفاظ مندرجہ ذیل ہیں۔

''دار قطنی نے اس حدیث کو روایت کیا اور ابن عبدالبر نے '' بیان العلم'' میں روایت کیا ایسے متعدد طرق سے کہ جن کی تمام سندیں ضعیف ہیں حتیٰ کہ ابن حزم نے اس کو موضوع کہہ ڈالا''۔

ثانیا:

ابوزرعہ کے قول کا مفہوم

ابوزرعہ کے قول'' روی احادیث لا اصل لھا'' (اس نے کچھ ایسی حدیثیں روایت کی ہیں کہ جن کی کوئی اصل نہیں) سے حدیث (اصحابی کالنجوم الخ) کی موضوعیت پر استدلال کرنا صحیح نہیں کیونکہ یہ (روی احادیث لااصل لھا) وضع کا صریح حکم نہیں ہے۔ نیز یہ جملہ (روی حدیث لا اصل لھا)ایسی حدیث کے سلسلہ میں بولا جاتا ہے کہ جس کی سند غیر معروف ہو۔ لہذا ابوزرعہ کا کلام مذکور وضع کے حکم کا افادہ نہیں کرتا۔ اس کی سب سے بڑی دلیل خود ابوزرعہ کے اس کلام سے ملتی ہے کہ جس کو ابن حجر نے جعفر بن عبد الواحد کے حالات کے'' تحت لسان المیز ان'' میں نقل فرمایا۔ ان کے الفاظ یوں ہیں: ''سعید بن عمر بردعی نے فرمایا کہ میں نے ابوزرعہ کے سامنے کچھ ایسی حدیثوں کا ذکر کیا جن کو انہوں نے جعفر بن عبدالواحد سے سماعت کیا تھا تو انہوں نے کچھ حدیثوں سے عدم معرفت کا اظہار کیا اور کہا کہ ان کی کوئی اصل نہیں اور بعض کے سلسلہ میں کہا کہ وہ باطل وموضوع ہیں پھر وہ واپس ہو گئے۔

شیخ بردعی فرماتے ہیں میں یقیناً ان کو دیکھ رہا تھا اور ان سے بات کرنے کی خواہش کر رہا تھا کہ ان کو اطمینان دلاسکوں''۔

اب آپ ان کی مذکورہ گفتگو پر غور کریں کچھ حدیثوں کے متعلق

آغاز گفتگو میں ابوزرعہ کا " لا اصل لھا " کہنا موضوع ہونے کا فائدہ نہ دے گا اوراس پر قرینہ ان کا اسی سے متصل اگلا قول " انھا باطلة موضوعة " ہے جو اسی " لا اصل لھا " سے متصلا ذکر کیا توان کے ان دونوں کلام کا صریح فائدہ مغائرت ہے ان روایات کے درمیان جن پر " لا اصل لھا " ہونے کا حکم لگایا ہے اوران کے مابین جن پر موضوع و باطل ہونے کی صراحت کی ہے کیونکہ پہلے کلام میں حکم " لا اصل لھا " سند کے طرف لوٹے گا متن کی طرف نہیں جیسا کہ ظاہر ہے۔ پھران کا قول لا اصل لھا، ان کے علم کے اعتبار سے ہے اوراس پر قرینہ وہ کلام ہے کہ جس میں یہ کہا گیا کہ کچھ روایتوں کوانھوں نے پہچاننے سے انکار کردیا۔اور اس طرح اس حدیث کے سلسلہ میں ابن عدی نے جو کہا وہ انہوں نے اپنے علم کے اعتبار سے کہا اوراس پر قرینہ یہ قول ہے " یسرق الحدیث ویاتی بالمناکیر عن الثقات " یعنی حدیث سرقہ کرتے تھے اور ثقات سے منکر حدیثیں لاتے تھے۔

جعفر سند گڑھتے تھے نہ کہ متن حدیث

ثالثا:

جعفر بن عبدالواحد کے حالات کے ضمن میں جو یہ ذکر کرکیا گیا ہے کہ وہ بے اصل احادیث روایت کرتے تھے۔ثقات سے منکر حدیثیں نقل کرتے تھے ان (جعفر) پر سند وضع کرنے اور حدیثیں سرقہ کرنے کا الزام لگایا گیا ہے تو یہ تینوں باتیں اس بات کا واضح قرینہ ہیں کہ جعفر سند گڑھتے تھے نا کہ متن حدیث اور چونکہ کبھی کبھار سند کے اعتبار سے بھی حدیث کو موضوع

کہہ دیا جاتا ہے لہذا وضع کا یہ حکم ایسی صورت میں صرف سند پر اثر انداز ہوگا نہ کہ متن پر۔

جرح مبہم کا اعتبار نہیں

اب رہا وہ جو ذکر کیا گیا کہ ان کی عقل کے معاملے میں ان کی تنہائی ان کی مددگار رہے تو یہ جرح غیر مفسر ہے جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں اس کو جرح میں شمار نہیں کیا جاتا۔ ابن صلاح نے فرمایا کہ وہی جرح مقبول ہے جو مفسر ہو اور بین السبب ہو کیونکہ لوگوں کا ان امور میں اختلاف ہے کہ جن کی وجہ سے جرح کی جاتی ہے اور جن کی وجہ سے جرح نہیں کی جاتی لہذا ان میں سے ایک فریق اس پر جرح کا اطلاق کرتا ہے بنا کرتے ہوئے اس امر پر جس کو وہ جرح مانتا ہے حالانکہ یہ نفس الامر میں جرح نہیں ہے لہذا اس کے سبب کا بیان ضروری ہے تاکہ معلوم ہو وہ جرح ہے بھی یا نہیں یہ باتیں فقہ اور اصول فقہ میں ظاہر و مقرر ہیں (مقدمه ابن اصلاح فی علوم الحديث صفحه ستين النوع الثالث و العشرون معرفه صفة من تقبل روايه----)

باطل موضوع یہ جملہ محتمل ہے

رابعا:

ابو زرعہ نے جعفر کی بعض احادیث کے سلسلہ میں جو یہ فرمایا کہ ''وہ باطل و موضوع ہیں'' تو ان کا یہ جملہ محتمل ہے کیونکہ ممکن ہے کہ انکا دار و مدار صرف جعفر بن عبد الواحد پر ہو، تو تہمت کی وجہ سے ان پر انہوں نے یہ حکم لگایا۔ لہذا اس کا ماحصل یہ ہوگا، کہ ان پر وضع کا گمان کیا گیا اور یہ اس بات کو مستلزم نہیں کہ ان کی ہر روایت اسی طرح ہو لہذا خاص کر اس حدیث کے متعلق

یقین کرنا صحیح نہیں ہوگا بلکہ اس پر موضوع ہونے کا گمان کرنا بھی صحیح نہیں ہوگا۔

امام ابن حجر پر لگائے گئے الزام کی حقیقت

خامسا:۔

امام ابن حجر ایسا کیسے فرما سکتے ہیں حالانکہ پروفیسر عبدالروف نے اسے ابن حجر کی طرف منسوب کیا اور وہ حدیث کو موضوع ثابت کرنے کی بات ہے جب کہ علامہ ابن حجر کا موقف تو وہ ہے جو ملا علی قاری نے " المرقاۃ شرح المشکوٰۃ" میں ان سے نقل کیا اور وہ ان کا قول اس حدیث کے متعلق: ''عجیب ضعیف'' ہے، نیز ملا علی قاری نے ابن حجر سے حکایت کرتے ہوئے فرمایا'' بلکہ ابن حزم سے ذکر کیا کہ ابن حزم وہ حدیث موضوع و باطل ہے۔ پھر ملا علی قاری نے ابن حجر کے حوالہ سے یہ بات بھی ذکر کی کہ ابن حزم نے اس حدیث کے موضوع و باطل ہونے کے دعویٰ کو ثابت نہیں کیا۔ ملا علی قاری نے خود ابن حجر کی روایت سے جو فرمایا ہے اس کی عبارت یہ ہے۔لکن ذکر عن البیهقی انه قال ان حدیث مسلم یؤدی بعض معناه یعنی قوله صلی اللہ علیہ وسلم " النجوم امنة للسماء.. الحدیث۔

قال ابن حجر صدق البیهقی هو یؤدی صحبة التشبیه للصحابة بالنجوم اما فی الاقتداء فلا یظهر، نعم یمکن ان یتلمح ذالك من معنیٰ الاهتداء بالنجوم،)

ترجمہ:۔لیکن بیہقی کی روایت سے ذکر کیا کہ انہوں نے فرمایا مسلم شریف کی حدیث اس حدیث کے بعض معانی کو ادا کرتی ہے مسلم شریف کی وہ

حدیث آقا کریم ﷺ کا یہ ارشاد گرامی: النجوم امنة للسماء (ستارے آسمان کے محافظ ہیں) ابن حجر نے فرمایا: امام بیہقی نے سچ فرمایا کیونکہ یہ حدیث صحابہ کو نجوم کے ساتھ تشبہ دینے کی صحت تک لے جاتی ہے مگر ''اقتدا'' میں تو وہ ظاہر نہیں ہے، ہاں اھتدا بالنجوم کے معنیٰ سے اس کا روشن ہونا ممکن ہے، ملا علی قاری نے فرمایا: ظاہر ہے کہ بیشک اھتدا اقتدا کی فرع ہے۔ (انتھی)

دیکھئے علامہ ابن حجر نے کیسے استدراک کیا اور ابن حزم کے دعویٰ وضع کو رد، دفع کیا پھر اس حدیث کے معنیٰ کی تائید کرتے ہوئے امام بیہقی سے جو کچھ نقل کیا اس کے اپنے ماقبل کے قول (عجیب واہِ) پر ترجیح دیتے ہیں۔

علامہ ابن حجر نے اس حدیث کو موضوع نہیں کہا

میں کہتا ہوں: اس سے اس کا جواب حاصل ہوا جس کو (موضوع و باطل ہونے کے قول کو) طہ عبد الرؤف نے علامہ ابن حجر کی طرف منسوب کیا تھا۔ کیونکہ مذکورہ بالا گفتگو سے ثابت ہوا کہ یہ ابن حجر نے نہیں فرمایا کہ یہ حدیث موضوع و باطل ہے اور ابن حزم نے جس کا دعویٰ کیا نہ ہی اس کو علامہ ابن حجر نے ثابت مانا بلکہ علامہ ابن حجر نے تو امام بیہقی کے کلام کو ہی ترجیح دی ہے اس پر جو انہوں نے کہا اور حدیث کی بھی تائید فرمائی حالانکہ وہ اس حدیث کے سلسلے میں ابتدائے گفتگو میں فرما چکے تھے کہ ''عجب ضعیف ہے'' جیسا کہ ظاہر ہے۔

جعفر کی روایت قابل قبول ہے

سادسا:۔

لوٹتے ہیں اور لوٹنا بہتر ہے تاکہ ہم اس میں غور کرسکیں جوان کی سوانح میں

مذکور ہوا،لہذا ہم کہتے ہیں کہ دار قطنی سے روایت کی گئی کہ (جعفر) حدیث گڑھتا ہے اور خود دار قطنی سے روایت ہے کہ انہوں نے اس حدیث کی تخریج کی جس کو جعفر کی وجہ سے موضوع کہا گیا لہذا اگر ان کی اس حدیث کی تخریج جعفر سے ثابت ہو جائے قطع نظر اس کے کہ ان کا قول فعل کے مخالف ہے، تو جعفر سے دار قطنی کی تخریج کرنا یہ اگر اس کی توثیق کے لئے نہ بھی ہو تب بھی کم از کم اتنا فائدہ ضرور ہوگا کہ ان کی حدیث لکھنے اور قبول کرنے کے قابل ہے، اور اگر معاملہ ایسا نہ ہوتا تو ضرور دار قطنی اس پر تنبیہ کرتے۔اسی طرح جو ابن عدی سے جعفر کے بارے میں منقول ہے۔ کہ ''وہ حدیث شریف سرقہ کرتے تھے اور ثقات سے منکر حدیثیں لاتے تھے'' یہ قول بھی ان کی حدیث کے موضوع ہونے کو نہیں بتاتا اس کا مرجع و مآل وضع سند ہوگا جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا۔اس حدیث کے سلسلے میں ابوزرعہ کا یہ قول: '' انه من بلاياه'' یعنی ''یہ حدیث بھی جعفر کی انہیں بلاؤں اور بے اصل مرویات میں ہے'' اس کو بھی اس کے ظاہر پر محمول نہیں کیا جائے گا اور یہ ہو بھی کیسے سکتا ہے جبکہ اس حدیث نے ایک دوسری حدیث سے تائید حاصل کی ہے اور اس حدیث کا مدار تنہا جعفر بن عبدالواحد پر بھی نہیں ہے، بلکہ یہ حدیث مختلف سندوں سے مروی ہے جو مندرجہ ذیل ہیں: عن عمرو عن جابرٍ و عن ابن عمر، و عن ابن عباس، رضى الله تعالىٰ عنهم:۔ لہذا ابوزرعہ کا یہ قول '' انه من بلاياه'' ان الفاظ سے متعلق ہوگا کہ جو خود جعفر سے الممیز ان میں نقل ہوئے اور وہ '' اصحابى كالنجوم من اقتدىٰ بشئي منها اهتدا'' ہیں اور جیسا کہ آپ ملاحظہ کررہے ہیں کہ یہ وہ حدیث ہی نہیں کہ جس کو شفا شریف اور

مشکوٰۃ شریف وغیرہ میں" بأيهم اقتديتم اهتديتم" کے الفاظ کے ساتھ ذکر کیا گیا۔

پھر اگر متن میں اس کے حکم بالوضع کو فرض بھی کر لیا جائے تو اس کا انحصار صرف انہیں الفاظ والی حدیث پر ہوگا کہ جو المیز ان میں وارد ہوئی نہ کہ غیر پر کما لا یخفیٰ۔

میزان اورلسان المیز ان کی جرح مبہم ہے

اور وہ جو امام ذہبی اور ابن حجر نے المیز ان اور لسان المیز ان میں ذکر کیا ہے کہ اس کو قسم دلائی گئی تھی اس پر کہ وہ (جعفر) نہ تو حدیث بیان کرے اور نہ ہی حدثنا کہے۔ تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اس کو حدیث بیان کرنے کی اجازت نہیں تھی لہذا اس سے اجازت حدیث کی نفی ہوتی ہے، ارتکاب وضع ثابت نہیں ہوتا۔ نہ سند میں اور نہ ہی متن میں۔ اسی طرح جیسا کہ آپ نے ملاحظہ کیا یہ بعد والی گفتگو اس پہلی گفتگو کو رد کر رہی ہے جو اسکے تعلق سے کہے گئے جملے "یسرق الحدیث" سے ظاہر ہو رہی تھی کہ "وہ سند وضع کرتا تھا" کیونکہ اس بعد والی گفتگو کا مفاد یہ ہے کہ "اس کی روایت کردہ حدیث کی سند و اصل دونوں ہیں البتہ اس راوی کو حدیث بیان کرنے کی اجازت نہیں تھی"۔ ابن عدی کے متعلق جو منقول ہے کہ انہوں نے جعفر کی احادیث بیان کر کے کہا کہ "یہ ساری کی ساری حدیثیں باطل ہیں اور ان میں سے کچھ محدثین سے سرقہ ہیں۔ تو اس سے ہمیں کوئی نقصان نہیں کیونکہ ابن عدی نے خود یہ حدیث اپنی سند سے روایت کی جیسا کہ گزر چکا نیز اس کی سند پر ضعیف ہونے کا حکم لگایا جیسا کہ گزرا اور متن پر وضع کا حکم نہ لگایا کما لا یخفیٰ۔

پھر (ذہبی اور ابن حجر) انہوں نے وہ علت بیان نہ کی جس کی وجہ سے حدیث بیان کرنا منع ہوا تو یہ ''جرح مبہم'' کے مشابہ ہوئی جو کہ نہ قابل اعتبار ہے۔ اسی طرح ابن عدی کا قول ان حدیثوں کے تعلق سے جن کو بیان کرنے کے بعد کہا کہ'' یہ ساری حدیثیں باطل ہیں''۔ یہ بھی مجمل ہے کیونکہ اس میں اس بات کی صراحت نہیں کہ یہ بطلان سند کی طرف سے ہے یا متن کی جانب سے؟ اور اگر متن کی جہت سے ہے تو اس پر وضع کا حکم کس وجہ سے ہے؟ اور اس کے وضع کی علامت کیا ہے؟ اور کیا اس کا حکم وضع ظنی ہے یا یقینی؟ اور یہ موضوع کی کس قسم میں سے ہے؟ کیونکہ محل تفصیل میں اجمال کرنا اچھا نہیں مانا جاتا۔ بلکہ وضع حدیث کے دعوے پر دلیل کا قائم کرنا لازم ہے۔ خاص کر وضع حدیث کے شاھد اور اس کی دلیل کو جہتِ وضع کے بیان کے ساتھ اولا ذکر کیا جائیگا۔ کیونکہ یہ مقام طالب تفصیل ہے جو اجمال کی گنجائش نہیں رکھتا کما لا یخفیٰ علی ارباب التحصیل۔

جعفر سے وضع حدیث کا ارتکاب صرف ایک بار ہوا

اسی طرح وہ جو ''قعنبی'' سے منقول ہے اس سے پتا چلتا ہے کہ (وضع حدیث کا ارتکاب) جعفر سے صرف ایک بار ہوا ہے ان سے ایسی دائمی عادت ثابت نہیں تھی، تو اس صورت میں جرح تام نہ ہوگی نیز اس کو جرح اسی وقت بولیں گے جب ارتکاب وضع جان بوجھ کر ہوا ہو۔

یہ حدیث کئی صحابہ سے مروی ہے

اصول کی کتاب '' التقدیر والتجیر ''میں بھی اس حدیث کو نقل کیا ہے کہ'' مگر یہ کہ پہلی روایت یعنی'' اصحابي کالنجوم بأیهم اقتدیتم

اهتديتم"(معروف نہیں)۔ابن حزم کے رسالہ کبریٰ کے قول" مکذوب و باطل"پر اعتبار کرتے ہوئے ورنہ تو یہ حدیث حضرت عمر، ابن عمر، جابر، ابن عباس اور حضرت انس سے الفاظ مختلفہ کے ساتھ مختلف سندوں سے مروی ہے جن کے الفاظ اس حدیث کے الفاظ کے زیادہ قریب ہیں وہ ہے جس کی تخریج ابن عدی نے کامل میں اور ابن عبدالبر نے کتاب بیان العلم میں ابن عمر سے کی ہے وہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا" مثل اصحابی مثل النجوم یهتدی بها فبأیهم اخذتم بقوله اهتدیتم"

حدیث صحیح سے اس حدیث کی تائید

اور وہ جو دار قطنی اور عبدالبر نے حضرت جابر سے روایت کرتے ہوئے تخریج کی۔فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا" مثل اصحابی فی امتی مثل النجوم فبأیهم اقتدیتم م اهتدیتم"البتہ ان میں سے کوئی بھی درجۂ صحت کو نہیں پہونچتی اسی لئے امام احمد نے فرمایا۔حدیث" لا یصح" اور بزار نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ سے یہ کلام ثابت نہیں مگر یہ کہ امام بیہقی نے کتاب الاعتقاد میں فرمایا: ہم نے اس حدیث کو ایک غیر قوی اسناد کے ساتھ موصولا روایت کیا ہے اور دوسری حدیث میں سند منقطع کے ساتھ مگر ایک ایسی حدیث صحیح بھی ہے جو اس کے بعض معنیٰ تک پہونچتی ہے اور یہ حضرت ابو موسیٰ کی وہ حدیث مرفوع ہے جو یوں ہے " النجوم امنة للسماء فاذا ذهبت النجوم أتى السماء ما تو عدون و انا امنة لا صحابی فاذا ذهبت اتی اصحابی ما یوعدون و اصحابی امنة لا متی فاذا ذهب اصحابی اتی امتی ما

یــوعــدون: رواہ مسلم۔یعنی سارے ستارے آسمان کے محافظ و پاسبان ہیں۔ جب یہ ستارے ختم ہوجائیں گے تو آسمان کا وہ حال ہوگا کہ جوان سے وعدہ کیا گیا یعنی پھٹ جائیں گے۔ میں اپنے صحابہ کا محافظ و پاسبان ہوں تو اس ظاہر دنیا سے پردہ فرماجانے کے بعد صحابہ کے اوپر وہ ذمہ داریاں آجائیں گی کہ جن کا ان سے وعدہ کیا گیا اور میرے صحابہ میری امت کے محافظ و پاسبان ہیں تو جب یہ سب دنیا سے اٹھ جائیں گے تو امت ان مشکلات کا شکار ہوگی جن کا امت سے وعدہ کیا گیا۔ اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔

یہ حدیث احکام میں حجت ہے

آپ بخوبی جانتے ہیں کہ ’’تقریر وتحبیر‘‘ کتب اصول سے ہے اس کا مرتبہ یہ ہے کہ اس میں احکام کی دلیلوں اور قواعد کلیہ کا بیان ہولہذا اس حدیث کو اس کتاب میں ذکر کرنا اس بات کے اشارہ کی تائید کرتا ہے کہ اس حدیث سے احکام میں حجت قائم کی جاتی ہے، اور یہ اس بات کی تائید ہے جس کی طرف ملا علی قاری نے اشارہ فرمایا کہ ’’بیشک حدیث کثرت طرق سے درجۂ حسن کی طرف ترقی کرتی ہے اگرچہ اس کی بعض سندوں کو دیکھتے ہوئے اس سے حجت قائم نہ کی جائے۔ جب اس مقام پر لگائی گئی عدم ثبوت کی تہمت کا حال یہ ہوا تو جعفر پر لگائی گئی تہمت کا کیونکر یقین کیا جاسکتا ہے نیز احیاء العلوم شریف میں حجۃ الاسلام امام غزالی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ’’کہ مسلمان کی طرف بغیر تحقیق کے گناہ کبیرہ کی نسبت کرنا جائز نہیں‘‘ تو ان خصوصیتوں کے ہوتے کیونکر اس حدیث کے موضوع ہونے کے گمان کی گنجائش رہے گی؟

جعفرامام ابوداؤد کے شیخ ہیں

نیز اس بات کو کیسے نظر انداز کیا جاسکتا ہے کہ جس پر ابن حجر نے جعفر کے سلسلے میں اپنی گفتگو کا اختتام فرمایا جو مندرجہ ذیل ہے: ''مسلمہ بن قاسم نے فرمایا کہ جعفر کا ۲۵۸ھ میں بمقام ''ثغر'' وصال ہوا۔آپ بصری تھے۔ثقہ تھے۔امام ابوداؤد نے آپ سے روایت فرمائی۔اسی طرح ''ابوعلی الجیان'' نے بھی آپ کوامام ابوداؤد کے شیوخ میں ذکر کیا۔

یہ امام حجر کی طرف سے حضرت جعفر کے لئے روشن توثیق وتائید ہے اور جو کچھ ان کے تعلق سے اس سے پہلے کہا گیا ''محتمل ومضطرب'' ہے۔لہذا توثیق مقدم ہوگی، پھر ان کے اس قول '' روی عنہ ابو داؤد'' (امام ابو داؤدن ے ان سے روایت لی ہے) کی طرف بھی دیکھئے اور پھر ان کے ساتھ ان تمام لوگوں کو ملائیں کہ جنہوں نے جعفر کی حدیث مذکور کو روایت کیا کہ ان سب کا ذکر مفصلا گزر چکا، تب تم پر ظاہر ہوگا کہ امام ابوداؤد وغیرہ کے نزدیک وہ جرح ثابت ہی نہیں جو دیگر کے نزدیک ثابت تھی اور اگر ثابت بھی ہوجائے تب بھی اس حدیث کی دیگر خصوصیتوں اور دیگر راویوں کے ذریعہ حاصل ہونے والی توثیق کی وجہ سے اپنے مرتبہ سے نہ گرے گی۔جیسا کہ اس سے قبل ہم نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے اور اتنی مقدار ہمیں کافی ہے۔

قاضی عیاض ناقد ہیں

نیز یہاں ایک نکتہ اور قابل توجہ ہے کہ ناقد تبصرہ نگار دوسرے کی قید وبند میں مقید اور دوسروں کی تحقیق کا پابند نہیں ہوتا۔چونکہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ ناقد وتبصرہ نگار اور یقیناً علل حدیث کو جاننے والے ہیں اور ان جیسے (ناقد وتبصرہ

نگار) کے لئے ضروری ہے کہ اس سے روایت کرے جس کو نیک سمجھے اگرچہ ان کے غیر کے نزدیک جرح ثابت ہو۔اس پر ابن صلاح کا کہنا ہے کہ امام بخاری ایسے راویوں سے بھی حجت ودلیل لاتے اوران کی روایتوں کو بیان کرتے ہیں کہ جن پر ماقبل کے زمانہ میں جرح ہوچکی تھی جیسے کہ عکرمہ مولا ابن عباس ، اسماعیل بن ابی اویس، عاصم بن علی، اورعمرو بن مرزوق وغیرہ اورامام مسلم رحمۃ اللہ نے سوید بن سعید اورایک ایسی جماعت کی روایتوں سے حجت پکڑی ہے کہ جن کا مطعون ہونا مشہور تھا۔اسی طرح امام ابوداؤد سجستانی۔

ابن حزم کے اقتباسات کا تنقیدی جائزہ

سابعا:۔

اب کوئی اشکال اورکوئی پہلوتشنہ نہ رہا سوائے ابن حزم کے کہ جس نے اپنے دعویٰ میں سب سے الگ تھلگ راستہ اختیار کیا چونکہ وہ اس میں تنہا ومنفرد ہے تو اس سے ہمیں کوئی نقصان نہیں۔البتہ ہمارا ابن حزم پر کلام کا یہ مقصد ہے کہ پروفیسر طہ عبدالرؤف نے اس حدیث پر حکم بالوضع لگانے اورا سے موضوع ثابت کرنے کے سلسلے میں اسی (ابن حزم) پر اعتماد کیا ہے لہذا اب ہم وہ تمام تر اقتباسات جوالاحکام لابن حزم میں'' اس حدیث کے تعلق سے ہیں سب کو بے کم وکاست نقل کررہے ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں۔

پہلا اقتباس:

رہی ''اصحابی کالنجوم'' کی روایت تو یہ روایت ساقط ہے یہ وہ حدیث ہے جس کو مجھ سے ابوالعباس احمد بن عمر بن انس العذری نے بیان کیا ہے کہ ہم سے ابوذر عبد بن احمد بن محمد الھروی الانصاری نے کہا وہ فرماتے ہیں کہ ہم کو علی بن عمرو بن احمد دارقطنی

نے خبر دی۔ وہ فرماتے ہیں کہ قاضی احمد کامل بن کامل خلف نے ہم سے بیان کیا۔ ان سے عبداللہ بن روح نے حدیث بیان کی ان سے سلام بن سلیمان نے حدیث بیان کی۔ ان سے حارث بن غصین حدیث بیان کی۔ انہوں نے اعمش کے حوالہ سے۔ اعمش نے ابوسفیان کے حوالہ سے اور ابوسفیان نے حضرت جابر کے حوالہ سے۔ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اصحابی کالنجوم بایهم اقتديتم اهتديتم"

ابومحمد نے فرمایا کہ ابوسفیان ضعیف ہے۔ حارث بن غصین ہی ابو وھب ثقفی ہے۔ سلام بن سلیمان موضوع احادیث روایت کرتا ہے اور بے شک یہ بھی انہیں احادیث موضوعہ میں سے ہے اس وجہ سے یہ روایت ساقط ہے اپنی ضعیف اسناد کی وجہ سے"۔

میں (اختر رضا) کہتا ہوں:۔ ان کا قول "رواية ساقطه" یہ اس کی طرف سے ایسا حکم ہے جو سند کی طرف پھیرا جائے گا اور اس پر قرینہ عبارت کے اخیر میں اس کا یہ قول: "فهٰذهٖ رواية ساقطة من طريق ضعيف اسنادها" (یعنی یہ روایت اپنی ضعیف سندوں کی وجہ سے ساقط ہے) ہے تو حکم کا اختصار سند ہی پر ہوگا متن تک نہیں جائے گا، اور ایسا ہو بھی کیسے سکتا ہے جبکہ اس حدیث کے معنی کی تائید دوسری حدیث سے ہوتی ہے جیسا کہ امام بیہقی کی روایت اور بہت ساری روایتیں گزریں نیز بیہقی کی روایت سے یہ بھی گزرا کہ انہوں نے ایک دوسری سند سے مرسلا یہ حدیث روایت کی اور مرسل جمہور کے نزدیک حجت ہے جیسا کہ ہمارے جد امجد اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب "الهاد الكاف فی احكام الضعاف" میں اس کی تفصیلات ذکر فرمائی ہیں۔ مزید یہ کہ

دوران گفتگوابن حزم کا قول" هـذا منها بلا شك" (یعنی بلا شبہ حدیث بھی انہی موضوع حدیثوں میں سے ایک ہے) ممنوع ہے کیونکہ ان کا یہ قول بلا دلیل ہے۔ مزید برآں یہ قول اس کے بھی خلاف ہے جس کا انہوں نے از خود اعتراف کیا ہے کہ یہ سند ضعیف ہے اور سند کا ضعیف ہونا متن کے ضعیف ہونے کو لازم نہیں چہ جائے کہ حدیث کے موضوع ہونے کو مستلزم ہو۔

دوسرا اقتباس:

''ابن حزم نے کہا کہ ابو عمر یوسف بن عبداللہ بن عبدالبر نمری نے لکھا کہ یہ حدیث عبدالرحیم بن زید عمی والی سند سے بھی مروی ہے کہ انہوں نے اپنے والد سے انہوں نے سعید بن مسیّب سے انہوں نے ابن عمر سے روایت کی اس کے علاوہ یہی حدیث حمزہ جزری کی سند سے بھی مروی ہے کہ سے انہوں نے نافع سے، انہوں نے ابن عمر سے روایت کی ۔ پھر ابو عمر نے اس کے راویوں کے تعلق سے کہا کہ عبدالرحیم بن زید اور ان کے والد دونوں متروک ہیں اور حمزہ جزری مجہول ہے''۔

ان (ابو عمر) کا قول: ۔عبدالرحیم بن زید اور ان کے والد متروک ہیں اور حمزہ جزری مجہول ہیں تو میں (اختر رضا) کہتا ہوں: اس سے کیا ہوتا ہے؟ اس سے زیادہ سے زیادہ ضعف سند لازم آئیگا اور وہ وضع کو مستلزم نہیں ۔

تیسرا اقتباس:۔

''ابن حزم نے کہا کہ نمری نے مجھے لکھا کہ ہم سے محمد بن ابراہیم بن سعید نے بیان کیا کہ ابو عبدالرحمٰن بن مفرج نے ان لوگوں سے بیان کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ ہم سے محمد بن ایوب الصموت نے کہا کہ ہم سے بزار

نے کہا کہ وہ حدیث جو نبی ﷺ سے روایت کی گئی ہے کہ " اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم " تو یہ کلام نبی کریم ﷺ سے ثابت نہیں"۔

محدثین کے قول لا یصح عن النبی ﷺ کا مطلب

ان کا قول ہم سے بزار نے کہا کہ " جو نبی کریم ﷺ سے روایت کیا جاتا ہے کہ "اصحابی کاالنجوم بأیھم اقتدیتم اھتدیتم" یہ کلام نبی کریم ﷺ سے ثابت نہیں"۔

اس پر میں (اختر رضا) کہتا ہوں کہ بزار کا قول " لا یصح عن النبی ﷺ " یہ اس بات میں صریح ہے کہ یہ حدیث محدثین کے نزدیک اس حدیث صحیح کے درجہ تک نہیں پہونچی جسے محدثین کی اصطلاح میں " حدیث صحیح" کہا جاتا ہے۔لہذا انتفائے صحت انتفائے حسن کا فائدہ نہ دے گی چہ جائے کہ ضعف اور وضع کا فائدہ دے۔ ہمارے جد امجد اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں علیہ الرحمہ کی کتاب " الھاد الکاف فی احکام الضعاف " کی طرف رجوع کریں۔

چوتھا اقتباس:۔

" ابو محمد نے کہا کہ یہ ظاہر ہو گیا کہ اس روایت کی کوئی اصل ثابت نہیں۔ بلا شبہ یہ جھوٹی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نبی کریم ﷺ کی صفت کے سلسلے میں فرماتا ہے " ومایـنـطـق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ " تو جب شریعت اسلامیہ سے متعلق نبی کریم ﷺ کا کلام سارا کا سارا حق ہے تو یہ بلا شبہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں اللہ تبارک وتعالیٰ کے اس قول کی وجہ سے " ولو کان

من عند غير الله لوجد فيه اختلافا كثيرا"۔(ترجمہ:۔اوراگر یہ غیراللہ کی جانب سے ہوتا تو ضرور اس میں بہت اختلاف پاتے)
اس کے بعد ابن حزم کا یہ قول: کہ "ظاہر ہے کہ اس روایت کی کوئی اصل ثابت نہیں اور بلا شبہ یہ جھوٹی ہے" یہ دعویٰ بلا دلیل ہے جو بالکل درست اور اطمینان بخش نہیں، یہ بات کتنی تعجب خیز ہے کہ وہ سند سے ہٹ کر کلام کر رہا ہے حالانکہ وہ خود اس ضعف کا اعتراف کر چکا ہے۔ نیز جو کچھ بزار سے اس نے نقل کیا ہے وہ تو ضعف تک کا فائدہ نہیں دیتا چہ جائیکہ متن پر حتمی طور پر یہ حکم لگایا جائے کہ وہ جھوٹی اور موضوع ہے۔
اپنے موقف (کہ یہ حدیث جھوٹی ہے) پر استدلال کے ضمن میں اس کا یہ کہنا کہ " لان الله يقول فی صفة نبيه صلى الله تعالىٰ عليه و سلم" کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی کریم ﷺ کی صفت کے سلسلے میں فرماتا ہے " وما ينطق عن الهوىٰ ان هو الا وحی یوحیٰ " (ترجمہ:۔ وہ جو کچھ کہتے ہیں اپنی طرف سے نہیں کہتے۔ وہ تو نہیں ہے مگر ان کی طرف کی گئی وحی۔) تعجب بالائے تعجب ہے!
اس سے یہ شخص کیسے ثابت کرے گا کہ حدیث مذکور موضوع و باطل ہے؟ یا کیسے یہ ثابت کرے گا کہ نبی کریم ﷺ اس کے گمان کے اعتبار سے کبھی اپنی خواہش سے بھی کلام فرمالیا کرتے تھے؟ اور اگر یہ قول ان کے صحابہ کے تعلق سے ہو تو یہ اس بات کی دلیل کہاں سے لائے گا کہ ان کے صحابہ جب کسی معاملے میں اختلاف فرماتے تھے تو بعض کسی چیز کی اباحت کے قائل ہوتے تھے اور بعض اس کی حرمت کے۔ اسی وجہ سے کبھی وہ اپنی خواہش سے حکم لگالیا کرتے تھے اور جب نبی کریم ﷺ نے اس کو ان میں

بیان فرمایا تو ان کو ان کی خواہش پر برقرار رکھتے تھے۔ یہ اس کے اس کلام کا ماحصل ہے جو "مجلۂ جامعہ اسلامیہ" میں اس کے حوالہ سے نقل کیا گیا ہے تو کیا یہ باب اجتہاد کو مسدود کرنا صحابہ کرام کی نفس تقلید سے روکنا تقلید کے سد باب کی کوشش کرنا ہے؟ اور صحابہ کرام کو سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اجتہاد کرنے کی ملی ہوئی اجازت کو پس پشت ڈالنا نہیں ہے؟۔

مشکوٰۃ شریف میں آیا ہے: معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان کو یمن کی طرف روانہ فرمایا تو ارشاد فرمایا:

كيف تقضى اذا عرض لك قضاء؟ قال اقضى بكتاب الله، قال فان لم تجد فى كتاب الله؟ قال فبسنة رسول الله قال فان لم تجد فى سنة رسول الله؟ قال اجتهد برائى ولا آلو، قال فضرب رسول الله صلى الله عليه وسلم على صدره، قال الحمد لله الذى وفق رسول رسول الله لما يرضى به رسول الله رواه الترمذى و ابو داؤد و الدارمى۔

"اے معاذ! کیسے فیصلہ کرو گے جب تمہارے سامنے کوئی مقدمہ آئے گا؟ تو انہوں نے عرض کیا کتاب اللہ سے فیصلہ کروں گا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اگر کتاب اللہ میں نہ پاؤ تو کیسے فیصلہ کرو گے، عرض کیا پھر سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فیصلہ کرونگا آقا علیہ السلام نے ارشاد فرمایا اگر سنت رسول اللہ میں نہ پاؤ تو؟ عرض کیا: اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور کسی دوسرے کی پرواہ نہ کروں گا۔ راوی کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی چھاتی تھپ تھپائی اور ارشاد فرمایا تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے جس نے اپنے رسول کے فرستادہ کو اس بات کی توفیق دی جس سے اللہ کا رسول راضی ہے۔"

ابن حزم نے صحابہ پر طعن کیا

اس کے باوجود اس (ابن حزم) نے صحابہ کے سلسلے میں طعن و تشنیع کی جیسا کہ آپ نے دیکھا اور ان پر خواہش نفس کا الزام لگایا تو اس کے اس قول سے تو نفس حدیث ہی کا رد ہوتا ہے چاہے وہ صحیح ہو یا حسن یا پھر ضعیف جب صحابہ ہی کی بارے میں اس کے اس طعن کے ذریعہ ان کی عدالت ساقط ہوگئی اور ان سے امان اٹھ گیا تو صرف اس حدیث ہی پر انکے دعویٰ کی تقریر کا انحصار نہیں ہوگا بلکہ دوسری طرف بھی جائے گا جس میں اقتدا کا حکم صریحا یا دلالتا وارد ہوا ہے پھر ضرور نبی کریم ﷺ کا قول " اقتدوا بالذين من بعدى ابى بكر و عمر" اور آقا کریم ﷺ کا دوسرا قول " عليكم بسنتى و سنة خلفاء الراشدين و عضوا عليها بالنواجذ" کا بھی رد ہو جائے گا اور اسی کے ساتھ حدیث معاذ کا بھی جو ابھی گزری اور دوسری وہ احادیث جن میں صحابہ کی اطاعت کا حکم شامل ہے ان کا رد ہو جائے گا اور اس سے صرف سنت نبوی شریف کا ہی رد لازم نہیں آئے گا بلکہ نفس دلیل سے کتاب اللہ کا رد بھی لازم آتا ہے، کیونکہ یہ دلیل صحابہ کرام کے سلسلے میں ہر اعتبار سے لازما شک پیدا کرے گی۔

صحابہ کرام کی شان میں ابن حزم کی گستاخی

اب ہم آپ کے سامنے اس کے کلام سے ایک ایسی نظیر پیش کر رہے ہیں جس کو "مجلۂ جامعہ اسلامیہ" نے اس سے نقل کیا ہے تا کہ آپ اس کے کلام میں گستاخی کا پہلو دیکھ سکیں۔ مجلۂ جامعہ اسلامیہ نے اس سے جو گفتگو نقل کی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں: "رسول اللہ ﷺ کا صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے ہر ایک کی اتباع کا حکم دینا محال ہے کیونکہ صحابۂ کرام میں سے

بعض لوگ کسی شئے کوحرام فرماتے ہیں اور بعض دوسرے صحابہ اسی کو حلال فرماتے ہیں اور اگراسی طرح تمام صحابہ کرام کی اتباع کی جائے تو سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کی اتباع کرتے ہوئے شراب بھی ضرور حلال ہوگی اور اسی طرح ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کی اتباع کرتے ہوئے روزے دار کا آسمان سے برستا ہو منجمد پانی (اولہ) کھانا حلال ہوگا حالانکہ بعض دوسرے صحابہ کرام کے نزدیک یہ حرام ہے۔ اسی طرح حضرت علی، حضرت عثمان ،حضرت طلحہ،اور حضرت ابوایوب وابی بن کعب کی اقتدا کرتے ہوئے سستی (صرف دخول حشفہ) بنا انزال کی وجہ سے ترک غسل جائز ہوگا اور سیدہ عائشہ اور عبد اللہ ابن عمر کی اقتداء کرتے ہوئے حرام ہوگا اور اسی طرح حضرت عمر کی اقتدا کرتے ہوئے ان کھجوروں کی بیع کرنا جس میں ابھی خوشبو ظاہر نہ ہوئی (یعنی کچھ کھجوریں) ہو حلال ہے اور یہی ان کے علاوہ دیگر صحابہ کی اقتدا کرتے ہوئے حرام ہے۔''

ابن حزم نے اس طرح کی دوسری مثالوں کو چھوڑ دیا ہے، اور کہا کہ'' یہ ساری مرویات ہمارے نزدیک اسانید صحیحہ سے وارد ہیں ہم نے ان کو طول بحث کی وجہ سے ترک کردیا اور یقیناً صحابۂ کرام رسول اللہ کے زمانے میں اپنی رائے سے کچھ کہتے تھے پھر اس کو آقا علیہ السلام تک پہونچایا جاتا تھا مصیب کو صحیح اور مخطی کی خطا کو ظاہر فرما دیتے تھے پھر یہی روایتیں آقا کریم ﷺ کے وصال کے بعد شائع وذائع ہوگئیں''،ملخص من کلام ابن حزم۔

میں (اختر رضا) کہتا ہوں: دلیل اس میں ان کا قول'' فمن المحال'' ہے اور یہ ان کے گمان میں ایسی دلیل ہے جو اس حدیث میں بھی جاری ہوتی ہے اور اس کے علاوہ ہماری ماقبل میں بیان کردہ دیگر حدیثوں میں بھی

جاری ہوتی ہے اور اس کے پیش نظر کیا ہر اس حدیث کو موضوع نہیں کہا جا سکتا جس میں صحابہ کرام کی پیروی کا حکم آیا ہے؟ کیا اس کے اور اس کے درمیان اتنا بڑا فرق ہے؟ اور یہ کیسی انوکھی دلیل ہے جو تفصیل کا تقاضہ ہی نہیں کرتی؟ تو ثابت ہوا کہ ابن حزم اور اس کے متبعین خواہش نفس کی کھائیوں میں اوندھے گرے پڑے ہیں نیز صحابہ کرام اور جنہوں نے ان کے طریقہ کی اتباع کی اور ان کی ہدایت سے ہدایت پائی وہ اس تہمت سے بری ہیں۔

ابن حزم کا قول۔ ''قد كان الصحابة يقولون بارآئهم في عصره عليه الصلاة و السلام فيبلغه ذالك فيصوب المصيب و يخطى المخطى فذالك بعد موته عليه السلام افشى و اكره:۔ یعنی صحابہ کرام نبی کریم ﷺ کے زمانے میں اپنی رائے سے کہا کرتے تھے پھر اس کو نبی ﷺ تک پہنچایا جاتا تھا تو آپ مصیب کی تصویب اور مخطی کی خطا کو ظاہر کر دیا کرتے تھے پھر آقا کریم ﷺ کے وصال کے بعد یہ سب شائع و ذائع ہو گئیں''

اس کی گفتگو کا آخر اول کے متضاد ہے کیونکہ کبھی ایسا نہ ہوا کہ نبی کریم ﷺ نے مخطی پر عتاب کیا ہو اور اسی طرح یہ بھی بات نہیں پہنچی کہ خاطی کے قول پر جس نے عمل کیا ہو ان کو آقا ﷺ نے سزا دی ہو تو یہ نبی کریم ﷺ کا جانب سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لئے اجتہاد بالرائے کے سلسلے میں اجازت ہے اور یہ اذن غیر مجتہد صحابہ کو مجتہد صحابہ کی پیروی کا جواز بھی فراہم کرنا ہے۔ گرچہ (مخطی صحابہ) حدیث موصول ہونے کے بعد اپنی رائے پر قائم نہ رہتے اگر آپ کی دلیل کو مان بھی لیا جائے تو معاذ بن جبل کی حدیث

کا کیا ہوگا کہ وہ معاذ بن جبل کے لئے مطلق اجازت کو شامل ہے نیز آپ (معاذ بن جبل) کے ذریعہ جاری کردہ تمام فیصلوں کی اقتدا کو شامل ہے خواہ خطائے (اجتہادی) پر مبنی ہوں یا صواب و درستگی پر۔

ابن حزم کی بیان کردہ جملہ مثالیں ہمارے گزشتہ دعوے کی تائید کرتی ہیں کیونکہ بظاہر تو ابن حزم کا منشاء اگرچہ صحابہ کرام کی تقلید کو روکنا اور پوری طرح تقلید کی راہ کو مسدود کرنا ہے لیکن اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اختلافی مسائل میں کوئی کسی کی اقتداء نہ کرے۔لہذا درحقیقت یہ ہرنا اہل کے لئے اجتہاد کا دروازہ کھولنا ہوا۔اب جب تقلید سے منع کر دیا تو ان لوگوں کی تقلید کیسے جائز ہوگی جو اپنے تعلق سے سلفیہ ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں، تقلید ائمہ کا اعتبار نہیں کرتے، خود امامت کے لئے آگے بڑھتے ہیں اور عام لوگوں کو اپنے مذہب کی اتباع کراتے ہیں؟

نیز ابن حزم نے اپنی گفتگو کا اختتام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سلسلے میں صریح طعن پر کرتے ہوئے کہا ہے کہ:" فذالك بعد موته عليه السلام افشىٰ و اكره"

لہٰذا وہ آقا کریم ﷺ کی وفات کے بعد شائع وذائع ہوگئیں۔اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اقوال صحابہ کی کوئی عزت وتوقیر اس کے نزدیک نہیں ہے بلکہ وہ ان اقوال کو خطا اور مذموم شمار کرتا ہے۔ ولا حول و لا قوة الا بالله العلی العظیم۔

اب ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ اپنے گزشتہ کلام کے ساتھ ایک بہترین نتیجہ شامل کر دیں اس ابن حزم کی عادت کے خلاف کہ جو طٰہٰ عبدالرؤف اور دیگر سلفیوں کا معتمد علیہ ہے محض اپنی خواہش نفسانی کی بنیاد پر صحیح حدیث کے رد

کرنے کی اس کی عادت کے تعلق سے جو مقدمہ امام نووی شرح مسلم میں آیا ہے جس کی عبارت کا ترجمہ یہ ہے۔

"شیخ ابو عمرو بن الصلاح رحمۃ اللہ نے فرمایا اور یہی تعلیقات بخاری میں ایسے الفاظ جزم کے ساتھ ذکر ہے کہ جو اس کی اس صفت کو ثابت کرتے ہیں کہ جس کو ہم نے ذکر کیا جیسا کہ اس کے بارے میں کہا قال فلان یا روی فلان یا اسی طرح کے اور الفاظ ہیں ان میں ابو محمد بن حزم غلطی پر ہے کیونکہ اس نے اسی طرح کے الفاظ کو صحت (حدیث) کے لئے نقصان پہنچانے والا انقطاع (سلسلہ سند کا متصل نہ ہونا) مانا ہے اور اس کی وجہ سے اس کو آسانی حاصل ہوگئی اس فاسد مذہب کے اثبات میں جو اس نے آلات لہو ولعب، ڈھول تاشوں اور مزامیر کی اباحت کے تعلق سے اختیار کیا ہے ابو عامر کی حدیث یا ابو مالک اشعری کی اس حدیث کا جواب دیتے ہوئے جو انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کی " لیکونن فی امتی اقوام یستحلون الحریر و الحمر و المعازف ... الحدیث

ترجمہ: ضرور میری امت میں کچھ لوگ ہوں گے جو ریشم، شراب اور مزامیر کو حلال کریں گے۔ ابن حزم نے اس حدیث کو رد کرتے ہوئے کہا کہ ڈھول تاشوں اور آلات لہو ولعب کی حرمت پر کوئی ایسی حدیث نہیں جو درجہ صحت کو پہونچی ہوئی ہو"۔ (الحدیث)

پھر اس نے یہ گمان کیا کہ "اگرچہ اس حدیث کی امام بخاری نے تخریج کی ہے پھر بھی یہ حدیث صحیح نہیں ہے کیونکہ امام بخاری نے اس حدیث کی اپنی روایت میں یوں فرمایا ہے کہ "قال ہشام بن عمار" یعنی ہشام بن عمار نے (مجھ یعنی امام بخاری سے) کہا اسکے بعد ھشام کے بعد کے راویوں کو

نام بنام ذکر کر کے پوری سند بیان کی۔ تو یہ حدیث منقطع ہوئی اور یہ انقطاع بخاری اور ہشام کے مابین ہے (یعنی امام بخاری اور ہشام کے درمیان کوئی راوی چھوٹ گیا ہے) یہ ابن حزم کی مختلف وجوہ سے خطا ہے۔

احدها:

اس میں درحقیقت کسی جہت سے انقطاع ہے ہی نہیں کیونکہ ''امام بخاری نے ہشام سے ملاقات بھی کی ہے اور سماع حدیث بھی کیا ہے'' اس کلام کے اخیر تک کہ جس کا عمدہ انداز میں افادہ '' رحمة الملك الجواد'' نے کیا ہے۔

ابن حزم کا صحابی رسول حضرت ابو طفیل پر طعن

ابن حزم کا صحابہ کرام کے تعلق سے جو شنیع کلام اور بری گفتگو گزری وہ تو اس حدیث کے رد کے تعلق سے تھی جو صحابہ کرام کی عظمت شان یہ کے سلسلہ میں مذکور ہوئی اور اس بات پر کہ اس کی گفتگو منمانی اور نفسانی خواہشات کی اتباع کے نتیجہ میں ہوتی ہے اس کی سب سے بڑی دلیل پیش کرنے کے لئے مناسب ہے کہ جلیل القدر صحابی حضرت ابو طفیل عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہ کی شان میں اس کی طعن و تشنیع سے پر بکواس کا ایک نمونہ بطور مثال ہم پیش کریں۔ کہ جن (حضرت ابو طفیل) کی حدیث امام مسلم وغیرہ نے روایت کی ہے اور ان کی یہ حدیث اہل علم کے نزدیک معروف ہے۔ ان کے تعلق سے بھی ابن حزم نے کہا کہ ''یہ صحابی مقدوح ہیں''۔ یہ بات شوکانی الظاہری نے ابن حزم کے حوالہ سے '' نيل الاوطار'' میں نقل کی ہے۔ اس کی یہ گھناؤنی گفتگو اس حدیث کے بارے میں ہے جس کو منتقی میں بیان کیا ہے اور وہ حدیث مندرجہ ذیل ہے۔

عن معاذ رضی اللہ عنہ: ان النبی ﷺ کان فی غزوۃ تبوک اذا ارتحل قبل ان تزیغ الشمس اخر الظهر حتی یجمعها ای العصر یصلیهما جمیعا، و اذا ارتحل بعد زیغ الشمس صلی الظهر و العصر جمیعا ثم سار، وکان اذا ارتحل قبل المغرب اخر المغرب حتی یصلیها مع العشاء و اذا ارتحل بعد المغرب عجل العشاء فصلاها مع المغرب" رواه احمد (۵/ ۲۴۱) و ابوداؤد ۱۲۰۸)

شوکانی نے اس حدیث کے ضمن جو گفتگو کی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں۔

"رہ گیا حدیث معاذ کا معاملہ تو اس حدیث معاذ کی تخریج ابن حبان، حاکم، دارقطنی اور امام بیہقی نے بھی کی ہے۔

امام ترمذی نے اس حدیث سے متعلق فرمایا: یہ حدیث حسن غریب ہے قتیبہ اس کی روایت میں منفرد و یکتا ہیں۔"

یہی حدیث معاذ اہل علم کے نزدیک ابوزبیر والی سند جو انہوں نے ابوطفیل سے اور انہوں نے معاذ سے روایت کی ہے اس سند سے مشہور و معروف ہے مگر اس میں جمع تقدیم نہیں ہے، یعنی یہ وہی حدیث ہے جس کی تخریج امام مسلم علیہ الرحمہ نے کی ہے۔

ابوداؤد نے فرمایا یہ حدیث منکر ہے۔

جمع تقدیم میں کوئی حدیث قائم نہیں ہے۔

ابوسعید بن یونس نے فرمایا کہ یہ حدیث صرف قتیبہ نے بیان کی ہے، اور کہا جاتا ہے کہ انہوں نے اس میں غلطی کی ہے۔

حاکم اور ابن حزم نے اس حدیث کی تعلیل کی ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث

یزید بن ابو حبیب عن ابی طفیل کے ذریعہ حدیث معنعن ہے۔ کیونکہ یزید بن حبیب کی ابو طفیل سے کوئی روایت معروف نہیں ہے۔ نیز فرمایا کہ ابو طفیل مقدوح ہے کیونکہ وہ مختار کے جھنڈے کا حامل تھا اور وہ رجعت کا عقیدہ رکھتا تھا''۔

مگر شوکانی و ابن حزم نے اپنے مذکورہ بالا دعویٰ پر کوئی ثبوت پیش نہیں کیا ہے۔ خود اپنی اس کتاب میں ابن حزم کے قول کو نقل کرنے کے بعد شوکانی نے جو تبصرہ کیا ہے وہ یہ ہے کہ ''میں اس کا جواب دیتا ہوں کہ انہوں نے مختار ثقفی کے ساتھ محض قاتلان حسین سے بدلہ لینے کے لئے خروج کیا بایں طور کہ ان کو مختار کے عقیدۂ رجعت کے تعلق سے معلوم نہ تھا'' مزید آگے چل کر اخیر میں یہ کہا کہ ''ابو طفیل کی حدیث کی اصل صحیح مسلم میں ہے اور ابو طفیل عدل ثقہ مامون ہے'' (شوکانی کا کلام ختم ہوا)

جی! آپ نے ابن حزم کی باتوں کو دیکھا؟ یقیناً اس کے قول کی جرأت و دیدہ دلیری کی دلیل، اس کے حکم خود ساختہ ہونے اور خواہشات نفس کی پیروی کا ثمرہ ہے۔

درحقیقت یہ ابو طفیل صحابی رضی اللہ عنہ کے تعلق سے طعن ہی نہیں ہے بلکہ اس مسلمہ عقیدے کو بھی پس پشت ڈالنا ہے جس کی رو سے جملہ صحابۂ کرام کو عادل و ثقہ ماننا لازم ہے۔ پھر جب صحابہ میں سے کسی ایک کے بارے میں طعن کرنا اس کی اسقاط عدالت ہے تو یہ طعن تمام صحابہ میں ان کی اسقاط عدالت والا طعن ہوگا یعنی ابن حزم کی اس بکواس کی زد میں تمام صحابہ کرام کی عدالت آجاتی ہے کہ اب کوئی صحابی عادل ہی نہ رہے گا اور یہی سلفیوں کی عادت ہے۔ کیونکہ وہ جو کہتے ہیں اس میں کسی کا پاس و

لحاظ نہیں رکھتے اور نہ ڈرتے ہیں جب وہ اپنے گمان وزعم کے ذریعہ کسی حدیث کے رد کرنے پر آتے ہیں تو اس میں وہ حیا وشرم نہیں کرتے۔

تاہم حضرت جعفر کے حالات کے تعلق سے تھوڑی سی گفتگو باقی رہ گئی ہے۔ لہذا میں اسے تعلیقا یہاں مکمل کر رہا ہوں۔

(میں کہتا ہوں): ان کا حکم لگانا جعفر بن عبد الواحد ہاشمی کی اس حدیث پر جس کو اپنی کے ساتھ سند حسن ابن عمر سے مرفوعا روایت کی ہے" ما اصطحب اثنان على خير و لا شر الا حشرا عليه" (ترجمہ:۔ جب دو لوگ خیر وشر میں سے کسی ایک میں ساتھی ہوتے ہیں تو ان دونوں کا حشر ان دونوں میں سے جس میں وہ ساتھی رہے ہیں اسی پر ہوگا۔)

اور یہ آیت تلاوت کی" و اذا النفوس زوجت " تو اس حدیث پر جو ان حضرات نے باطل ہونے کا حکم لگایا ہے۔ جیسا کہ المیز ان ولسان المیز ان اور تنزیہ الشریعہ میں بیان کیا گیا، تو اس میں وہی گفتگو جاری ہوگی جو ہم نے اپنے مذکورہ کلام میں ابن عدی کے قول" كلها بواطيل " کے ضمن میں کی کہ یہ حکم مجمل ہے اور متن میں بھی کوئی ایسی شئی نہیں جو قواعد شرعیہ کے مخالف ہو اور اس کے بطلان کی جہت بھی بیان نہیں کی گئی لہذا محل تفسیر میں یہ قابل قبول نہ ہوگا اور رہا ذہبی کا وہ قول جو انہوں نے جعفر کی اس حدیث سے متعلق کیا ہے جو ابن عباس سے مروی ہے:" ولد النبي ﷺ مسرورا مختونا" کہ نبی ﷺ ختنہ کئے ہوئے اور نال کٹے ہوئے پیدا ہوئے" اس حدیث کے تعلق سے ذہبی نے جو یہ کہا ہے کہ یہ جعفر کی بلاؤوں یعنی بے اصل روایتوں میں سے ہے" تو یہ قول ذہبی بھی ممنوع ہے،

کیونکہ اولاتو اس کا مدار تنہا جعفر پر ہے ہی نہیں بلکہ مختلف طرق سے یہ مروی ہے چنانچہ حضرت انس اور حضرت عباس بن عبدالمطلب اور ابو ہریرہ و ابن عباس و ابن عمر رضی اللہ عنہم سے یہی حدیث الفاظ مختلفہ کے ساتھ مروی ہے حالانکہ ان ساری باتوں کو تفصیلا امام سیوطی رضی اللہ عنہ نے اپنی کتاب ''الخصائص الکبریٰ'' میں ذکر فرما دیا ہے اور ابن حجر رضی اللہ عنہ نے اپنی کتاب ''افضل القری'' میں بیان فرما دیا ہے جس کی عبارت کا ترجمہ یہ ہے ''صح عن الضیاء'' یعنی ضیاء کی صحیح روایت سے ہے کہ ''نبی کریم ﷺ ختنہ کئے ہوئے اور نال کٹے ہوئے پیدا ہوئے یہاں تک کہ کسی نے آپ ﷺ کی ناف مبارک کو نہیں دیکھا''۔ حاکم نے اس پر یہ اضافہ کیا کہ ''یہ مفہوم متواتر خبروں کے ساتھ مروی ہے''۔

پھر انہوں نے تصحیح اور دعوئے تواتر پر اعتراض کیا ہے کہ یہ اپنی تمام سندوں کے ساتھ ضعیف ہے اور رہی تواتر کی بات تو جب یہ صحیح ہی نہیں ہے تو متواتر کیسے ہوگی؟۔

ضعیف حدیث کثرت طرق سے تقویت پا جاتی ہے

اقول: (میں کہتا ہوں) اصول میں یہ بات ثابت ہے کہ ضعیف کثرت طرق کے ذریعہ تقویت پاتی ہے تو درجہ حسن کی طرف ترقی کر جاتی ہے بلکہ صحیح لغیرہ کے درجہ تک بھی ترقی کر جاتی ہے۔ یقیناً ''ضیاء'' نے اس حدیث کا صحیح ہونا تین وجہوں سے ثابت کیا ہے۔ (پہلی) اس کی سندیں کثیر ہیں (دوسری) ان کے نزدیک اس کی صحت پر قرینہ موجود ہے (تیسری) خبر مشہور ہے حتیٰ کہ حاکم نے کہا: اس سلسلے میں خبریں متواتر ہیں مگر حاکم نے تواتر کا جو دعویٰ کیا اس کو اس پر محمول کیا جائے گا کہ اس سے انہوں نے تواتر

اصطلاحی مراد نہیں لیا بلکہ اس سے حدیث کا شائع وذائع (یعنی تلقی بالقبول) ہونا مراد لیا اگرچہ یہ مبلغ تواتر تک نہ پہنچی ہو مگر انہوں نے تلقی الحدیث بالقبول کی طرف تو اشارہ کر ہی دیا ہے اور یہ تلقی بالقبول ان چیزوں سے ہے جو حدیث کو مزید قوت پہنچاتی ہے اور ناقد کو روا ہو جاتا ہے کہ خبر پر صحت کا حکم لگائے اگرچہ وہ خبر اپنی سند کو دیکھتے ہوئے ضعیف ہو اس حدیث کی صحت کے تعلق سے ''ضیاء'' نے جو کچھ کہا وہ اپنی جگہ اس کے علاوہ خود امام سیوطی نے بھی حاکم کے دعوی تواتر کا اقرار کیا ہے جیسا کہ '' الخصائص الکبریٰ'' کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے نیز تواتر میں اگرچہ بعض شروطِ صحت کا اعتبار نہیں کیا جاتا جیسا کہ پوشیدہ نہیں ہے، مگر اس کے باوجود صحت کی بعض شروط یا تمام شرطیں تواتر کے ضمن میں بھی حاصل ہو جاتی ہیں۔ تو اس اعتبار سے صحت ثابت و متحقق ہوگئی، اب حاکم کا دعوئے تواتر سالم رہا۔

پھر ابن حجر نے آقا ﷺ کی اس خصوصیت کے دعویٰ پر اعتراض کیا ہے کہ'' آپ ختنہ کئے ہوئے پیدا ہوئے''۔ ان کے الفاظ یہ ہیں: ''بہت سے لوگ مختون پیدا ہوئے ہیں تو اس میں حضور ﷺ کی کوئی خصوصیت نہیں: بلکہ ابن کلبی نے کہا کہ بیشک آدم علیہ السلام اور ان کے بعد بارہ انبیاء مختون پیدا ہوئے''۔

اقول: (میں کہتا ہوں) جن لوگوں نے خصوصیت کا دعویٰ کیا ہے ان لوگوں کا مقصد یہ نہیں ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے درمیان اس وصف میں نبی کریم ﷺ کی خصوصیت ہے بلکہ اس سے مراد دیگر تمام انسانوں سے آقا کا ممتاز ہونا ہے اور یہاں پر ابن کلبی سے روایتا جو وارد کیا گیا ہے

اس کو امام سیوطی نے خود ابن کلبی سے الخصائص الکبریٰ میں ان الفاظ کے ساتھ ذکر فرمایا: "بلغناعن كعب الاحبار انه قال نجد فی بعض كتبنا ان آدم خلق مختونا و اثنی عشر نبيا من بعده من ولده خلق مختونا و اثنی عشر نبيا من بعده من ولده خلقوا مختنين آخرهم محمد صلی اللہ علیہ وسلم و شيث و ادريس و نوح و سام و لوط و يوسف و موسىٰ وسليمان و شعيب و يحىٰ وهود و صالح صلی الله تعالیٰ عليهم اجمعين۔

یعنی ہم کو کعب بن احبار کے حوالہ سے یہ خبر پہونچی کہ حضرت کعب نے فرمایا کہ ہم نے ماقبل کی بعض کتابوں میں یہ پایا ہے کہ حضرت آدم اور ان کے بعد ان کی اولاد میں سے بارہ انبیاء کرام یعنی حضرت شیث، حضرت ادریس، حضرت نوح، سام، حضرت لوط، حضرت یوسف، حضرت موسیٰ، حضرت سلیمان، حضرت شعیب، حضرت یحی، حضرت ھود، حضرت صالح علیہم السلام ختنہ کئے ہوئے پیدا ہوئے اور سب سے آخر میں آقا صلی اللہ علیہ وسلم ختنہ کئے ہوئے اس دنیا میں تشریف لائے۔

اس کا صرحتاً فائدہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مذکورہ خصوصیت کا مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام لوگوں میں ممتاز ہیں سوائے ان انبیاء علیہم السلام سے جن کا ذکر کیا گیا: پھر ابن حجر نے اسی کتاب میں اپنی آخری گفتگو میں ذکر کیا کہ جس کی عبارت کا ترجمہ یہ ہے: کہ بعض حفاظ نے بروایت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کیا کہ "عبد المطلب نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے ساتویں دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ختنہ کروایا، جانور ذبح کیا اور محمد کے نام کے ساتھ موسوم فرمایا" اور بسند منکر یہ بھی مروی ہے کہ" آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ختنہ

حضرت حلیمہ کے یہاں اس وقت ہوا جس وقت آپ ﷺ کا شق صدر فرمایا گیا"۔

اقول: (میں کہتا ہوں) خود ابن عباس رضی اللہ عنہ ہی سے ایک اور روایت ہے جو اس کی مخالفت کرتی ہے اور کثرت طرق کی وجہ سے تقویت اور دوسری تائید بھی حاصل ہے برخلاف اس کے جس میں بعض حفاظ نے تنہا عبداللہ ابن عباس سے روایت لیکر تفرد اختیار کیا اور برخلاف اس کے بھی جو بسند منکر مروی ہے کہ آپ ﷺ کا ختنہ حضرت حلیمہ کے یہاں ہوا جس وقت آپ کا شق صدر فرمایا گیا۔

حاصل کلام یہ ہے کہ حدیث: "ولد النبی ﷺ مسرورا مختونا" (حضور ﷺ نال کاٹے ہوئے اور ختنہ کئے ہوئے پیدا ہوئے) اس کو روایت کرنے میں جعفر منفرد و تنہا نہیں ہیں تو اس کے بطلان کے قول کی کوئی وجہ نہیں۔

الهادالکاف کے اقتباس پر اختتام

اب ہم اپنے جد امجد اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمہ کے اس کلام پر اپنی گفتگو کا اختتام کرنا پسند کریں گے۔ کہ جو انہوں نے اپنی کتاب "الهاد الكاف فی احكام الضعاف" میں ذکر فرمایا جو نادر و نایاب تفریعات اور عظیم الشان فوائد پر مشتمل ہے۔ ہم آپ کے سامنے ان کے اس رسالے سے وہ اقتباس ضرور نقل کریں گے۔

ہمارے جد امجد سیدنا اعلیٰ حضرت اپنی کتاب کے انیسویں افادہ میں فرماتے ہیں " العقل شاهد بان الحديث الضعيف في مثل هذا المحل مقبول " یعنی عقل اس بات پر شاہد ہے کہ ضعیف حدیث اس

طرح کے مقام میں مقبول ہے۔

اقول و باللہ التوفیق: اگر عقل سلیم ہے تو ان نصوص و نقول پر مزید کسی دلیل کی ضرورت نہیں کیونکہ ضعیف حدیث اس طرح کے مقام میں معتبر ہوتی ہے اور اس کا ضعف قابل معافی ہے کیونکہ اس کے بطلان کا یقین نہیں ہوتا اگرچہ سند میں کوئی کمی ہے کیوں نہ رہ جائے کیونکہ کبھی کبھی جھوٹا بھی سچ بولتا ہے۔ تو کیا پتا ہوسکتا ہے کہ اس حدیث کو اس نے صحیح روایت کیا ہو۔

چنانچہ امام ابوعمر تقی الدین شہرزوری کے مقدمہ میں مندرجہ ذیل بات آئی ہے: ”جب کسی حدیث کے تعلق سے کہا جائے کہ وہ غیر صحیح ہے تو اس سے قطعاً یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ نفس الامر میں بھی جھوٹی ہے کیونکہ نفس الامر میں کبھی کبھار سچ بھی ہو جاتی ہے، لہذا اس سے مراد یہ ہے کہ شرط مذکور پر اس کی سند شرط مذکور پر صحیح نہیں نہ یہ کہ وہ حدیث نفس الامر میں جھوٹی ہے ۔کاذب کے کبھی کبھار سچ بولنے کے امکان کی وجہ سے۔ ملخص من التقریب والتدریب“ نیز یہ جو تصحیح و تضعیف کا حکم لگایا جاتا ہے تو یہ ظاہر کی طرف نظر کرتے ہوئے ہے کیونکہ ممکن ہے کہ ضعیف حدیث فی الواقع صحیح ہو اور اس کا عکس بھی ہوسکتا ہے اور محقق علی الاطلاق علامہ ابن ہمام نے فتح القدیر میں فرمایا کہ ”حدیث کو حسن و صحیح اور ضعیف سے موصوف کیا جانا صرف سند ہی کے اعتبار سے ہے اور یہ ظنی ہے رہا درحقیقت تو ممکن ہے صحیح غلط ہو جائے اور ضعیف صحیح ہو جائے۔“

اور اسی قبیل سے (عمامہ کے اوپر سجدہ کرنے کے مسئلہ میں جو گفتگو ان کی ہے) وہ یہ ہے کہ ”ضعیف کا معنیٰ نفس الامر میں باطل ہونا نہیں ہے بلکہ

اس کا مطلب یہ ہے کہ محدثین کے نزدیک وہ حدیث شروط معتبرہ سے ثابت نہیں مگر اس میں یہ احتمال ضرور رہتا ہے کہ ممکن ہے کہ وہ حدیث نفس الامر میں صحیح ہو کیونکہ یہ بھی تو ممکن ہے کہ اس کے ساتھ ایسا قرینہ موجود ہو جو اس کو ثابت کر دے نیز ممکن ہے کہ ضعیف راوی نے اس متن میں کسی معین و مددگار کا اضافہ کر دیا ہو تو اب حکم اس کے اعتبار سے ہوگا۔

"الموضوعات لکبیر" میں ہے کہ "محققین کہتے ہیں صحت و حسن اور ضعف یہ فقط ظاہر کے اعتبار سے ہے۔ حقیقت کے اعتبار سے صحیح حدیث کے موضوع ہونے کے احتمال کے ساتھ اور اس کا برعکس بھی ہوسکتا ہے۔ اسی طرح شیخ ابن حجر مکی نے افادہ فرمایا ہے"

اقول: (میں کہتا ہوں) بہت سی حدیثوں میں یہ وہی راز ہے جن کے سلسلہ میں محدثین کرام نے تو اپنے اپنے طور پر کیا ہے کہ وہ ضعیف ہیں غیر معتبر ہیں مگر علمائے ربانین، فضلا کے عارفین اور اہل کشف و اہل معرفت حضرات نے صراحت فرمائی ہے کہ ان حدیثوں کو بھی قبول کیا جائے گا اور ان پر بھروسہ بھی۔ نیز ائمہ عارفین اور سادات مکاشفین قدست اسرارھم ان حدیثوں کو نبی کریم ﷺ سے صیغہ جزم اور الفاظ قطعیہ کے ساتھ مرفوعا روایت کرتے ہیں۔ اور ذخیرۂ احادیث میں اضافہ کرنے والی ان عارفین وصوفیہ کی بیان کی ہوئی وہ کثیر احادیث ہیں کہ جن کی صحت کے راز پر علمائے ظاہر ذرہ برابر بھی اپنی کتابوں اور مجموعوں میں مطلع نہیں ہوئے کیونکہ ان کی صحت کی بنیاد ان کے ان خداداد علوم ومعارف پر ہے ان کے یہی باطنی علوم اہل ظاہر کو طعن و تشنیع پر ابھارتے ہیں اور وہ اس بلاء میں گرفتار ہوتے ہیں چہ جائکہ وہ ان صوفیہ کی مرویات سے فائدہ حاصل

کریں تاہم یہ (صوفیہ محدثین) ان طعنہ زنوں سے بارگاہ الٰہی میں ان سے کئی درجے زیادہ تقویٰ رکھنے والے اور ان سے زیادہ علم معرفت نیز حدیث رسول اللہ کو بیان کرنے کی حد درجہ احتیاط برتنے والے ہیں جیسا کہ اللہ کریم نے ارشاد فرمایا: ''کل حزب بما لدیھم فرحون'' ہر گروہ جو اس کے پاس اس پر خوش ہے (کنز الایمان۔المومنون ۵۲)'' ان ربك ھو اعلم بمن ضل عن سبیله وھو أعلم بالمھتدین'' تمہارا رب خوب جانتا ہے جو اس کی راہ سے بھٹکا اور وہ خوب جانتا ہے راہ والوں کو (ترجمہ کنز الایمان)۔(النحل ۱۲۵)

امام عبدالوہاب شعرانی نے ''میزان الشریعۃ الکبریٰ'' میں اس حدیث'' اصحابی کالنجوم بأیھم اقتدیتم اھتدیتم'' کو بیان کرتے ہوئے فرمایا'' اگرچہ اس حدیث میں محدثین کے نزدیک کلام ہے مگر اہل کشف کے نزدیک یہ حدیث صحیح ہے''

''کشف الغمة عن جمیع الامة'' (آخری جلد اول باب جامع فضائل الذکر، اخر فصل الامر بالصلوٰۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم'' میں فرمایا:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ'' من صلی علی طھر قلبه من النفاق کما یطھر الثوب بالماء'' یعنی جس نے مجھ پر درود پڑھا اس کا قلب نفاق سے ایسے پاک ہو گیا جیسے پانی سے کپڑا پاک ہو جاتا ہے۔ نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:'' من قال'' صلی الله علیٰ محمد'' فقد فتح علی نفسه سبعین باباً من الرحمة والقی الله فی قلوب الناس فلا یبغضه الا من فی قلبه نفاق۔''

یعنی جس نے ''صلی اللہ علی محمد'' کہا اس نے اپنے اوپر رحمت کے ستر دروازے کھول لئے اور اللہ نے اس کی محبت لوگوں کے دلوں میں ڈالدی تو اس سے بغض نہیں رکھے گا مگر وہ جس کے دل میں نفاق ہو۔ ہمارے شیخ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''یہ حدیث اور اس سے قبل جو حدیث روایت کی گئی دونوں کو ہم نے بعض عارفین سے اور انہوں نے حضرت خضر علیہ السلام سے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے۔ تو یہ دونوں ہمارے نزدیک صحت کے اعلیٰ درجہ پر ہیں اگرچہ ان دونون کو محدثین نے اپنی اصطلاح کے مقتضی پر ثابت نہیں مانا۔

نیز ''میزان الشریعۃ الکبریٰ'' میں (فصل فی استحالة خروج شئی من اقوال المجتهدين عن الشريعه) میں اپنے شیخ سیدی علی خواص قدس سرہ العزیز کی طرف منسوب کرتے ہوئے ان کی عبارت کو ذکر کیا ''جیسا کہ ان تمام حدیثوں میں یہ کہا جاتا ہے کہ جن کو محدثین سند صحیح متصل کے ذریعہ روایت کرتے ہیں کہ ان سب کی سند حق عزوجل پر منتہی ہوتی ہے۔ اسی طرح ان حدیثوں کے تعلق سے بھی یہ کہا جائے گا کہ جن کو اہل کشف علم حقیقت کے ذریعہ صحیح نقل کرتے ہیں''۔

حاصل کلام بیشک اولیائے کرام کے لئے اس سند ظاہر کے علاوہ ایک اور ارفع و اعلیٰ باطنی سند ہوتی ہے اسی لئے سیدی بایزید بسطامی رضی اللہ عنہ اپنے زمانے میں صوفیہ کی حدیثوں کے منکرین کے لئے فرمایا کرتے تھے۔ ''تم اپنے مردہ علم کو مردہ سے لیتے ہو اور ہم اپنے زندہ علم کو حی الذی لا یموت " سے لیتے ہیں'' سیدی امام شعرانی نے اس کو اپنی متبرک کتاب ''الیواقیت والجواہر'' کی سیتالیس ویں بحث میں ذکر فرمایا

ہے۔

شیخ اکبر ابن عربی امام المکاشفین محی الملۃ والدین نے ان بعض احادیث کی تصحیح فرمائی ہے جن کو علم حدیث کے منہج ومعیار پر ضعیف مانا گیا ہے جیسا کہ ان احادیث کو انہوں نے اپنی کتاب ''الفتوحات المکیہ'' شریف کے تہترویں باب میں ذکر کیا ہے اور وہیں سے الیواقیت والجواہر میں امام شعرانی نے نقل فرمایا۔ اور اسی طرح طرح سے خاتم الحفاظ امام جلیل شیخ جلال الدین سیوطی رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کے جمال جہاں آرا کی زیارت طلعت سے پچھتر مرتبہ بیداری میں مشرف ہوکر استفادہ فرمایا اور نبی کریم ﷺ سے براہ راست تحقیق حدیث کی نعمت سے سرفراز ہوئے اور بہت سی ان احادیث کی تصحیح فرمائی جن کا ضعف محدثین کے منہج وکسوٹی پر ثابت ہوگیا تھا اور اس کی پوری تفصیل امام شعرانی کی کتاب میزان الشریعۃ الکبریٰ میں ہے جو چاہے اس کے مطالعہ سے مشرف ہوجائے۔

یہی وہ فائدہ جلیلہ ہے جس کو میں نے بحمد اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے نفع کے خاطر تحریر کیا ہے۔ جو یقیناً دل کی تختی پر لکھنے کے قابل ہے کیونکہ بہت کم لوگ اس سے واقف ہیں اور بہت کم قدموں نے اس میدان میں جادہ پیمائی کی ہے۔ اے میرے دوست! صحرا نوردی کر کے سبزہ زاروں اور چراگاہوں کا راستہ تو بہت سے لوگ ناپتے ہیں مگر ان تک رسائی بہت ہی کم لوگوں کو حاصل ہوتی ہے۔

بات بہت دور چلی گئی کہنے کا مقصد یہ تھا کہ جب بھی طعن اور جرح سند میں ہو تو اس کی وجہ سے روایت کا حقیقت میں باطل ہونا یقینی نہیں ہے کیونکہ درحقیقت وہ صدق کا احتمال رکھتی ہے تو جب جب صدق کا احتمال

پیدا ہوگا عقل مند بغیر کسی ضرر کے نفع کا امیدوار ہوگا اور بطور فعل اس کو بروئے کار لائے گا۔ نیز دین و دنیا کے امور امید ہی پر جاری ہوتے ہیں۔ کیا کوئی عقل محض سند میں کمی کو دیکھ کر اس پر عمل پیرا ہونے کو ترک کرنے کا تقاضہ کرے گی؟ اور کیا تم نہیں جانتے کہ اگر حدیث حق و سچی ہو تو تم نے سند میں کمی دیکھ کر اس پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے خود کو فضل سے محروم کرلیا اور اگر وہ جھوٹی ہے تو اس پر عمل کرنے میں تمہارا کون سا نقصان ہوا، تو سمجھو اور ثابت قدم رہو اور متعصبین میں سے نہ ہو۔

انصاف سے کام لو۔ اب میں تمہیں مثال دے کر سمجھاتا ہوں۔ کہ ایک شخص نے حرارت کی کمی اور سانس کی کمزوری کی زید سے شکایت کی تو زید نے اس سے کہا کہ فلاں طبیب حاذق نے اس مرض کی ایک دوا تجویز کی ہے۔ کہ سونے کے ورقوں کو خرزانہ مشک کے عرق کے ساتھ سونے کے ہاون کے دستے میں کوٹ لو اور شہد میں ملا کر ہاتھ پر اچھے سے گھس کر پی لو"۔

اب عقل سلیم کا تقاضہ یہ نہیں کہ " ذکر کردہ دوائی کو اس وقت تک حرام جانے جب تک کہ اس طبیب (جس نے یہ نسخہ بتایا اس) تک پہونچنے والی صحیح سند کی تحقیق نہ ہو جائے" کیونکہ اس کیلئے تو اتنا ہی کافی ہے کہ وہ (دوا) طبی اصولوں کے مطابق نقصان پہنچانے والی نہ ہو۔ ورنہ تو طبی کتابوں میں نسخہ تلاش کرنا پڑے گا اور راویوں کے احوال کی تحقیق کرنا پڑے گی اس طرح قریب ہے کہ وہ اپنی نادانی و جہالت کی وجہ سے وہ ان دواؤں کے فائدوں کو بھی حرام سمجھ بیٹھے اور ان دواؤں کے فوائد اور منفعت کو حرام قرار دیدے۔ یہ تو ایسے ہی ہے کہ "جب تک تریاق عراق سے آئے گا تب تک تو سانپ کا ڈسا شخص مر ہی جائیگا۔" (جس کو فارسی میں یوں کہا

ہے۔تاتریاق ازعراق آوردہ شود۔مارگزیدہ مردہ شود)
بالکل اسی طرح فضائل اعمال کی شان ہے کیونکہ ہماری سماعت کے راستے بہت سی ایسی خبریں آئی ہیں جس میں اس طرح کے فوائد ذکر کیے گئے اورشریعت مطہرہ نے ان کےافعال سے منع نہیں فرمایاتو ہمیں محدثین کے منہج ومعیار پرتحقیق کرنے کی ضرورت ہی نہیں لہذاایسی صورت میں اگر حدیث صحیح ہےتو تواچھی بات ہےاوراگرصحیح نہیں ہوئی تو ہم اپنی حسن نیت سےان شاءاللہ تعالیٰ بہترین پھل پائیں گے۔

"ھل تربصون بنا الا احدی الحسنیین"، تم ہم پرکس چیزکا انتظارکرتے ہومگردوخوبیوں میں سےایک کا۔
(ترجمہ کنزالایمان(التوبہ)۵۲)

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ سیدنا محمد و اٰلہ و صحبہ و بارك و سلم۔

میں نےاسے بول کرلکھوایا۔اپنےرب کی رحمت کا امیدوار
محمداختررضاخاں قادری ازہری غفرلہ